هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۔ رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۲۹۶

ایڈیٹر: شیخ قاسم علی احمدی۔

شرح چندہ پیشگی
سالانہ ہندوستان ۔ سالانہ بیرون ۔ ششماہی ۔ بیرون ہند
قیمت فی پرچہ ۱/

فاروق

تحریک جدید کا اخبار

قادیان

تاریخہائے اشاعت: ہر انگریزی ماہ کی ۷ - ۱۴ - ۲۱ - ۲۸

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جلد ۴ ۲ | قادیان دارالامان مورخہ ۱۴ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۸ اکتوبر سنہ ۱۹۳۹ء | نمبر ۴

اتمام الحجت علی المخالفین

(۲)

(از حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

"میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ اگر کوئی میرے سامنے خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر اس پیشگوئی (آتھم والی) کے صدق سے انکار کرے۔ تو خدا تعالےٰ اسکو بغیر سزا نہیں چھوڑے گا۔ اول چاہیئے۔ کہ وہ ان تمام واقعات سے اطلاع پاوے۔ تا اسکی بے خبری اسکی شفیع نہ ہو۔ پھر بعد اس کے قسم کھاوے۔ کہ یہ خدا تعالےٰ کی طرف سے نہیں۔ اور جھوٹی ہے۔ پھر اگر وہ ایک سال تک اس قسم کے وبال سے تباہ نہ ہو جاوے۔ اور کوئی فوق العادت مصیبت اس پر نہ پڑے۔ تو دیکھو۔ کہ میں سب کو گواہ کر کے کہتا ہوں۔ کہ اس صورت میں میں اقرار کروں گا۔ کہ ہاں میں جھوٹا ہوں۔ اگر عبد الحق اس بات پر اصرار کرتا ہے۔ تو وہی قسم کھاوے اور اگر محمد حسین بٹالوی اس خیال پر زور دے رہا ہے۔ تو وہی میدان میں آوے۔ اور اگر مولوی احمد اللہ امرتسری یا ثناء اللہ امرتسری ایسا ہی سمجھ رہا ہے۔ تو انہیں پر فرض ہے۔ کہ قسم کھانے سے اپنی تقویٰ دکھلاویں۔ اور یقیناً یاد رکھو۔ کہ اگر ان میں سے کسی نے قسم کھائی۔ کہ آتھم کی نسبت پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ اور عیسائیوں کی فتح ہوئی۔ تو خدا اسکو ذلیل کرے گا۔ روسیاہ کرے گا۔ اور لعنت کی موت سے اسکو ہلاک کریگا۔ کیونکہ اس نے سچائی کو چھپانا چاہا۔ جو دین اسلام کے لئے خدا کے حکم اور ارادہ سے زمین پر ظاہر ہوئی۔

مگر کیا یہ لوگ قسم کھا لیں گے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ جھوٹے ہیں۔ اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھا رہے ہیں۔" (انجام آتھم)

مبایعین احباب جماعت احمدیہ کے جذبات سے اپیل

فاروق و اخبارات سلسلہ کی طرف باوجود حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ارشادات کے احباب کی عدم توجہی سے دشمنان سلسلہ و معاندین خلافت کو منہ آنے کا موقعہ مل رہا ہے۔ چنانچہ اخبار "پیغام صلح" لاہور اپنی تازہ اشاعت میں خوش ہو کر لکھتا ہے۔ کہ

"محمودی جماعت کے کثرت تعداد کے مبالغہ آمیز دعاوی اور مالی قربانیوں کے باوجود قادیانی اخبارات کی حالت بہت زبون ہے۔ اس کے بعض اخبارات تو فی الحقیقت زندگی اور موت کی نہایت تکلیف دہ عبرت انگیز کشمکش میں مبتلا ہیں۔ وہ بہتیری چیخ و پکار مچاتے ہیں۔ بار بار التجائیں اور اپیلیں کرتے ہیں۔ سفارشیں کراتے ہیں۔ لیکن محمودی جماعت پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ محمودی جماعت کا علمی ذوق و شوق روز بروز مردہ ہو رہا ہے۔ حضرت سلطان القلم کی وراثت سے وہ محروم ہے۔ اسلئے اس کے اخبار کس مپرسی کی حالت میں مبتلا ہیں"۔ (پیغام ص۴)

میں احباب کی غیرت کو جنبش دلانا چاہتا ہوں۔ کیا وہ پیغام کے اس نوٹ کو پڑھ کر اس کا عملی جواب دینے کے لئے تیار ہونگے۔ یا نہیں۔ بلکہ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ اگر آپ مومنانہ غیرت سے کام لے کر کوشش کریں۔ تو جلسہ سالانہ تک فاروق کے دو ہزار خریدار بنانے کچھ مشکل نہیں۔ جس کا چندہ سالانہ صرف ڈھائی روپیہ ہے۔ اس سے سستا اخبار اور کیا ہوگا۔ سو اٹھو ہمت کرو باندھو کمر ہوشیار ہو جاؤ۔ اور پیغام کو منہ توڑ جواب اپنے عمل سے دیدو۔

فاروق ہر مہینے میں چار بار عمدہ لکھائی چھپائی کاغذ سے شائع ہوتا ہے۔ اس میں نہ صرف خطبہ جمعہ ہی حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ کا ہوتا ہے۔ بلکہ بڑے زبردست مضامین صداقت مسیح موعود علیہ السلام پر اور مخالفین سلسلہ عالیہ احمدیہ کے اعتراضات کے مدلل اور دندان شکن جواب دیئے جاتے ہیں۔ آج کل کی جنگی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ اور مرکز کی ضروری اطلاعیں اور اعلانات اور اہم خبریں لکھی جاتی ہیں۔ تحریک جدید کی روز افزوں ترقیات درج ہوتی ہیں۔ احمدی فتوے جن کی ہر احمدی کو ضرورت ہوتی ہے۔ نقل کئے جاتے ہیں۔ پس آپ ہمت کریں۔ کہ فاروق کی اشاعت ہزار ہا ہو جائے۔ حضرت امیر المؤمنین کا ارشاد ہے۔ کہ فاروق کثرت سے جماعت میں پھیل جائے۔ اور تحریک جدید کے کارکن تمام جماعتوں میں فاروق کی اشاعت کے لئے کوشش کریں۔ یہ نہایت سستا اخبار ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جنگ کی خبریں

— لنڈن ۲۳ اکتوبر۔ وزارت فضائی نے اعلان کیا ہے۔ کہ آج سکاٹ لینڈ کے جنوب مشرق میں دشمن کے طیاروں نے بم باری کی۔ لیکن ان میں سے ایک کو گرا لیا گیا۔ گذشتہ ہفتہ میں دشمن کے ۱۶ بمبار طیارے گرائے جا چکے ہیں۔ ہمارے تیس آدمی ہلاک یا مجروح ہوئے۔ اور دو جہازوں کو خفیف سا نقصان پہنچا۔

— جرمنی کے فوج کے بہت سے افسر اس وجہ سے معزول کر دیئے گئے ہیں۔ کہ وہ ملوکیت کے قیام کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک سازش پکڑی گئی ہے۔ جس میں جنرل سٹاف کا ایک اعلیٰ افسر بھی شریک ہے۔

— پیرس ۔ ۲۳ اکتوبر۔ محاذِ جنگ سے آمدہ اطلاعات مظہر ہیں۔ کہ رائن اور اس کے معاون تمام دریاؤں میں زبردست طغیانی آئی ہوئی ہے۔ پانی کناروں سے نکل کر خوفناک تباہی مچا رہا ہے۔ اس وقت فرانسیسیوں کے نئے مورچے بہت مفید ثابت ہو رہے ہیں۔ سیگفرئیڈ لائن کے جرمن مورچوں میں پانی بھر جانے کا خطرہ ہے۔

— برلن ۲۳ اکتوبر۔ جرمنی کا اندرونی کاروبار جنگ کے باعث سخت ابتر ہو رہا ہے۔ مزدوروں کی تعداد کم ہوتی جا رہی اور کام بڑھتا جا رہا ہے۔ ویسٹ فیلیا کی کانوں میں کام کرنے والے پندرہ ہزار مزدوروں نے کام چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ کام زیادہ اور خوراک کم ملتی ہے۔ حالات کو قابو میں رکھنے کے لئے فوجی دستے وہاں پہنچ گئے ہیں۔

— کلکتہ۔ ۲۳ اکتوبر۔ بنگال کے وزیر اعظم مسٹر فضل الحق صاحب نے کانگرس ورکنگ کمیٹی کے فیصلہ پر شدید نکتہ چینی کی۔ اور کہا ہے کہ وائسرائے کے اعلان میں کوئی ایسی بات نہ تھی۔ جس سے کانگرس اس قدر برافروختہ ہوئی۔ اس میں سوائے اس کے کچھ نہیں۔ کہ ایک حق بات کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ اگر کانگرس کا دباؤ مان کر وہ اقلیتوں کے سوال کو نظر انداز کر دیتے۔ تو یہ ایسی غداری ہوتی۔ جو آج تک کسی حکمران قوم نے نہیں کی۔ آپ نے کہا بنگال کے وزیر خزانہ نے جو اعلان شائع کیا ہے۔ اس سے نہ میری حکومت یا میری ذات کو کوئی واسطہ نہیں۔

— دہلی ۲۳ اکتوبر۔ معلوم ہوا ہے۔ کہ اغلباً وائسرائے ہند ۲۶ اکتوبر کو ایک اور بیان شائع کریں گے۔ اسی روز لیبر پارٹی کی تحریک پر دار العوام میں ہندوستان کے موضوع پر بحث ہوگی۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے بھی وائسرائے کے بیان کی وضاحت کے لئے ایک بیان شائع کیا جائے گا۔

— لکھنؤ ۲۳ اکتوبر۔ یو۔پی گورنمنٹ نے اخبار ہمدم و ہمدم پریس سے دو دو ہزار کی ضمانت طلب کر لی ہے۔ جسے ۲۶ اکتوبر تک جمع کرانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ضمانت کی بنا پر تبرہ ایجی ٹیشن اور خاکسار تحریک کے متعلق گورنمنٹ کے رویہ پر نکتہ چینی پر مشتمل بعض مضامین ہیں۔

— انقرہ ۲۳ اکتوبر۔ اتحادیوں کے ساتھ ترکی کے معاہدہ پر دستخط ہونے کے وقت ترکی کے پریذیڈنٹ نے فرانس کے پریذیڈنٹ کو دوستی اور ہمدردی کا پیغام ارسال کیا۔

— استنبول۔ ۲۳ اکتوبر۔ برطانیہ کے ساتھ ترکی کا ایک معاہدہ عنقریب طے ہونے والا ہے۔ جس کے رو سے ترکی کو چھ کروڑ پونڈ قرضہ دیا جائے گا۔ برطانیہ نے یہ وعدہ بھی کیا ہے۔ کہ آئندہ ترکی کا زیادہ مال خریدا کرے گا۔

— دہلی۔ ۲۳ اکتوبر۔ سرکاری حلقوں میں افواہ ہے۔ کہ کانگرس سے مصالحت کا تاحال امکان ہے۔ وائسرائے ہند عنقریب گاندھی جی کو ملاقات کے لئے بلا رہے ہیں۔

— آل انڈیا مجلس احرار کے دوسرے ڈکٹیٹر مولوی محمد اسماعیل صاحب کو کل ان کے مکان پر گرفتار کر لیا گیا۔ یہ گرفتاری ایک تقریر کی بنا پر ہوئی ہے۔ جو قریباً ایک ماہ قبل ملتان میں کی گئی تھی۔ مقدمہ کی سماعت ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت ملتان میں ہی ہوگی۔

— انگورا ۲۳ اکتوبر۔ ترکی اور اتحادیوں میں سمجھوتہ کے بعد اب اس امر کا امکان بہت بڑھ گیا ہے۔ کہ اٹلی بھی اتحادیوں کے ساتھ معاہدہ کرے گا۔

— بمبئی ۔ ۲۳ اکتوبر۔ آل انڈیا نیشنل لبرل فیڈریشن کی کونسل نے دو روز کے اجلاس کے بعد ایک طویل بیان شائع کیا ہے۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ وائسرائے کا اعلان غیر تسلی بخش ہے۔ اور تمام سیاسی پارٹیوں سے اپیل کی ہے۔ کہ قومی تعمیر اور آزادی کے

دار الامان کا ہفتہ

(۱) ۲۶ اکتوبر سیدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی طبیعت خدا کے فضل سے اچھی ہے۔ فللّٰہ الحمد

(۲) سیدۃ النساء حضرت ام المؤمنین مدظلہا العالی کی طبیعت بھی اچھی ہے۔ فللّٰہ الحمد۔

(۳) حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے کو جو درد نقرس کی تکلیف تھی۔ وہ ابھی دور نہیں ہوئی۔ احباب کامل صحت کے لئے دعا فرمادیں۔

(۴) حضرت مفتی محمد صادق صاحب ۲۵ اکتوبر ۱۲ بجے دوپہر کی ٹرین سے کراچی سے مع الخیر معہ اپنی اہلیہ صاحبہ واپس تشریف لے آئے ہیں۔

(۵) درخواست دعا۔ ملک بشیر احمد صاحب نوشہروی احباب سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ اس سال انہوں نے سپریئر کلاس اپرنٹس کے داخلہ کا امتحان دینا ہے۔ اور مقابلہ کا امتحان دسمبر میں ہوگا۔ انکی کامیابی کے لئے احباب دردِ دل سے دعا فرما کر ثواب حاصل کریں۔

(۶) گذارش۔ جن احباب نے فاروق کے وی۔پی واپس کر دیئے ہیں۔ وہ براہ کرم جلد اپنا چندہ معہ خرچ وی۔پی ارسال کر دیں۔ آج کل روپیہ کی اشد ضرورت ہے۔

رمضان المبارک میں صدقۃ الفطر کی ادائیگی ضروری ہے

اور

اس کے لئے احباب اور عہدہ داران جماعت کا فرض

رمضان المبارک ایک نہایت ہی بابرکت مہینہ ہے۔ جس میں اگر انسان کوشش کرے اور رمضان کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہو کر عمل پیرا ہو۔ تو خدا تعالےٰ کی خاص خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ روزہ صرف بھوکے رہنے کا نام نہیں۔ بلکہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ منجملہ جن کے ایک یہ بھی ہے۔ کہ روزہ دار غریب اور مساکین لوگوں کی تکالیف کا آسانی سے اندازہ کر سکے۔ جو روزی کے میسّر نہ آنے کی وجہ سے فاقہ کشی کی صعوبتیں برداشت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

چونکہ روزہ دار ایک ماہ کے کامل تجربہ سے بھوک وغیرہ کی تکلیف کا پوری طرح احساس کر چکے ہوتے ہیں۔ اسلیئے اس موقعہ پر نبی کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے غرباء مساکین کی امداد اور ہمدردی کے لئے صدقہ و خیرات کی خاص طور پر تاکید فرمائی۔ اور اس احساس کا عملی ثبوت دینے کے لئے مسلمانوں پر صدقۃ الفطر کا ادا کرنا فرض قرار دے دیا جیسا کہ نبی کریم صلعم کے ان الفاظ میں مروی ہے۔" عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال فرض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زکاۃ الفطر صاعاً تمراً او صاعاً من شعیر علی العبد والحر۔ والذکر والانثیٰ والصغیر والکبیر من المسلمین۔" (بخاری جلد ثانی باب فرض صدقۃ الفطر)

چنانچہ ہر سال رمضان المبارک میں لازمی طور پر یہ صدقہ ادا کیا جاتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے۔ کہ اگر اس کا صحیح طور پر استعمال نہ ہو۔ تو صدقہ کی غرض مفقود ہو جاتی ہے۔ چونکہ صدقۃ الفطر غرباء و مساکین کی احتیاجوں کو پورا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے مقامی جماعت میں اگر حقیقی غریب و مساکین ہوں۔ تو صدقۃ الفطر کی فراہم شدہ رقم میں سے حسب ضرورت ان کو دیا جانا چاہیئے۔ اور اگر کوئی رقم بچ جائے۔ یا جماعت میں غریب مسکین نہ ہونے کی وجہ سے صدقۃ الفطر کی رقم مقامی طور پر خرچ ہی نہ ہو۔ تو ایسی رقم مرکز میں ان غریب اور غیر مستطیع اصحاب اور طلباء کے لئے بھیج دی جائے جو مختلف جگہوں سے بہ سلسلہ تعلیم وغیرہ آئے ہوئے ہیں۔ اور جن کے اخراجات کی ذمہ واری سلسلہ پر ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ یہ رقم اپنے طور پر کسی غیر مستحق شخص کو دیکر حقیقی مستحقین کی حق تلفی کر دی جائے۔ اسی طرح اس صدقہ کی رقم کو کسی دوسری ضروریات پر بھی خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً مساجد پر یا اور اسی قسم کی ضروریات پر یہ صدقہ محض غرباء اور مساکین کے لئے ہے۔ اسلیئے احباب اور عہدہ دار جماعت کو اس امر کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے۔ یہ صدقہ عید سے قبل وصول ہو جانا چاہیئے۔ اور اگر عید سے کئی دن قبل جمع کر لیا جائے۔ تو اسکو سہولیت کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ لوگ بھی عید کی خوشی کا سامان مہیا کر سکتے ہیں۔ جو احباب کسی جماعت کے ذریعہ چندہ ادا نہیں کرتے۔ بوجہ اس کے کہ وہ اکیلے رہتے ہیں۔ انہیں چاہیئے۔ کہ وہ اپنا صدقۃ الفطر قادیان بھجوا دیں۔ یہ صدقہ ہر ایک طبقہ کے انسان پر یکساں واجب ہے۔ جس کا ادا کرنا ہر ایک مرد۔ عورت۔ بچے۔ بوڑھے۔ آزاد اور غلام سب کے لئے ضروری ہے۔ جو خود نہ ادا کر سکتا ہو۔ اسکی طرف سے ادا کرنے کا اس شخص کو ذمہ وار قرار دیا گیا ہے۔ جو اس کے اخراجات کا کفیل ہو۔ صدقہ میں جو چیز عام طور پر غذا کے طور پر استعمال ہوتی ہو۔ وہی جا سکتی ہے۔ مثلاً گندم۔ جو۔ چاول۔ منقہ۔ پنیر۔ انگور۔ کھجوریں وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ اس ملک میں گندم بافراط پیدا ہوتی ہے۔ جو عام طور پر اس ملک کی خوراک ہے۔ اس لئے بآسانی گندم ادا کی جا سکتی ہے۔ فطرانہ کی مقدار ہر ایک فرد کے لئے ایک صاع ہے۔ جو آنحضرت صلعم کے زمانہ کا ایک پیمانہ ہے۔ جس میں تین سیر غلہ آتا ہے۔ گو نصف صاع بھی دینا جائز بتایا جاتا ہے۔ لیکن مستحب پورا صاع ہے۔ صدقۃ الفطر میں جنس کی بجائے اسکی قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔ جو آج کل گندم کے اسی نرخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فاروق

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جلد ۲۴ | قادیان دارالامان مورخہ ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء | نمبر ۴

خطبہ جمعہ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۹ء

موجودہ جنگ میں حکومت برطانیہ سے تعاون کرنے کے متعلق بعض شبہات کا ازالہ

فرمودہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:- دوستوں کو معلوم ہے۔ کہ گزشتہ چند دنوں سے "الفضل" میں میری طرف سے ایک اعلان

ٹیریٹوریل فوج میں جماعت کے نوجوانوں کی بھرتی

کے متعلق شائع ہو رہا ہے۔ مجھے بتایا گیا تھا۔ کہ جماعت کے نوجوانوں میں فوجی کام کی طرف سے بد دلی پائی جاتی ہے۔ اور وہ اس کام میں حصہ لینے سے جی چُراتے ہیں۔ لیکن اس اعلان کے بعد جماعت میں جو اس کے جواب میں رَو چلی ہے۔ وہ یا تو اس خیال کی تردید کرتی ہے۔ اور یا پھر اس اعلان کے اثر کے ماتحت جماعت میں یہ بیداری پیدا ہوئی ہے۔ بہر حال سینکڑوں نوجوانوں نے اس خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا ہے۔ اور بہت سے نوجوان ابھی تک اپنے آپ کو پیش کر رہے ہیں۔

اس خدمت میں جو فوائد ہیں۔ وہ عام طور پر ہماری جماعت کی نگاہوں سے مخفی ہیں۔ اس لئے کہ

ہماری جماعت ایک تبلیغی جماعت ہے

اور فوجی قسم کے کام اس کے سامنے نہیں آتے۔ لیکن ایک ایسی قوم جس کے متعلق یہ مقدر ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اسے ایک دن

ساری دنیا کی حکومتیں

سونپ دینی ہیں۔ وہ اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اور جب تک اسے ابھی سے ایک خاص رنگ کی ٹریننگ نہ دی جائے۔ وہ وقت پر کام کی اہل ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے۔ کہ گو ہمارے پاس حکومت نہیں۔ اور نہ ہمارے پاس ایسے سامان ہیں۔ جن سے کام لے کر ہم اپنے نوجوانوں کو فوجی تعلیم دلوا سکیں۔ پھر بھی اس نے ایسے سامان پیدا کر دئیے ہیں۔ کہ ہماری جماعت کے نوجوان آسانی سے فوجی کام سیکھ سکتے ہیں۔ اور اس طرح

جرأت اور بہادری کی روح

ان میں قائم رہ سکتی ہے۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جس دن تمہیں حکومتیں ملیں گی۔ اس دن شام کو تو تم ایسی حالت میں سوؤ گے۔ کہ تم مولوی ہو گے۔ اور صبح اٹھو گے تو تم جرنیل بنے ہوئے ہو گے۔ یہ اللہ تعالےٰ کی سنت اور اس کے طریق کے بالکل خلاف ہے۔ اگر تم شام کو کرنیل ہونے کی حیثیت میں سوؤ گے۔ تو تمہارے متعلق یہ امید کی جا سکتی ہے۔ کہ جب تم صبح اُٹھو۔ تو تم جرنیل بنا دئیے جاؤ۔ یا ایک شخص شام کو سپاہی کی حیثیت میں سوئے۔ اور صبح اٹھے۔ تو نائک بنا دیا جائے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ شام کو تو تم ایسی حالت میں سوؤ۔ کہ تم

فوجی کاموں سے بالکل بے تعلق

ہو۔ اور صبح تمہیں تمام علوم و فنون اور فوجی طور طریق آ جائیں۔ پس ہمیں جو بھی جائز ذرائع فوجی تربیت اور فوجی کاموں سے دلچسپی کے میسر آئیں۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم ان سے فائدہ اٹھائیں۔ تاکہ ہمارے اندر فوجی روح قائم رہے۔ اور روز بروز اس میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں۔ ایک زندہ قوم کو خواہ کوئی ذاتی دلچسپی نہ ہو۔ پھر بھی اس کا فرض ہے۔ کہ وہ

فوجی کاموں میں مہارت

حاصل کرے۔

میں نے دلائل سے اس بات کو ثابت کیا ہے۔ کہ موجودہ جنگ سے ہمارا ذاتی تعلق بھی ہے۔ اور ہم صرف انگریزوں کے مفاد کے لئے اپنا تعاون پیش نہیں کر رہے۔ بلکہ اپنے مفاد کے لئے اس خدمت کے لئے اپنے آپ کو تیار کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اگر موجودہ حالات میں تبدیلی ہوئی۔ تو اسلام اور احمدیت کو اس سے ضعف پہنچے گا۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ کہ اگر ہمارا

ذاتی مفاد

کوئی بھی نہ ہو۔ اور کہیں بھی جنگ ہو رہی ہو۔ اور ہم اس میں شریک ہو کر فوجی تربیت حاصل کر سکتے ہوں۔ تو ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم وہاں جائیں اور فوجی ٹریننگ حاصل کریں۔ دیکھو بیدار قوموں میں اس کا کتنا خیال رکھا جاتا ہے۔ سپین میں جنگ ہوئی۔ تو اٹلی اور جرمنی نے خوب والنٹیر جمع کر کر کے وہاں بھیجے۔ اندازہ کیا جاتا ہے۔ کہ سپین کی جنگ میں دس ہزار سے زیادہ جرمن مارا گیا۔ اور اندازہ کرنے والے کہتے ہیں۔ کہ سپین کی جنگ میں اسی ہزار کے قریب اٹلی والے مارے گئے۔ لیکن انہوں نے اس بات کی کوئی پروا نہیں کی۔ حالانکہ وہ جنگ ان کی جنگ نہیں تھی۔ بلکہ سپین کے دو طبقے آپس میں لڑ رہے تھے۔ اور اس کی وجہ جیسا کہ بڑے بڑے مبصرین اور مدبرین نے بیان کیا ہے۔ یہی ہے۔ کہ چونکہ جرمنی کو

جنگ کی عملی تربیت

کا کوئی موقعہ نہیں ملا تھا۔ جرمن قیصروں کے زمانہ میں ہمیشہ لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ مگر پچھلی جنگ کے بعد جب جرمن قوم کو ماتحت کر دیا گیا۔ جنگی سامان اس سے لے لئے گئے۔ اور اس کی فوج کو محدود کر دیا گیا۔ اسے عملی رنگ میں کسی جنگ میں شامل ہونے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ پس انہوں نے ضروری سمجھا۔ کہ سپین میں جو جنگ ہو رہی ہے۔ اس میں ہم اپنے والنٹیروں کو بھیج دیں۔ تاکہ انہیں فوجی ٹریننگ حاصل ہو جائے۔ چنانچہ وہ اس میں شریک ہوئے۔ اور لڑے مگر بہر حال سپین کی جنگ میں ان کی کوئی ذاتی غرض نہیں تھی۔ سپین میں وہ کسی مالی فائدہ کے لئے نہیں لڑے۔ انہوں نے کوئی

تجارتی فائدہ

حاصل نہیں کیا۔ انہوں نے ایک انچ زمین تک نہیں لی۔ اُدھر لڑائی ختم ہوئی۔ اور ادھر وہ اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔ ان کی غرض صرف اتنی تھی۔ کہ نوجوانوں کی عملی تربیت ہو جائے۔ چنانچہ اب وہ اس ٹریننگ سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اور اس جنگ میں ان کے

پرانے تجربہ کار جرنیل

بہت کم ہیں۔ مگر وہ نوجوان جنہوں نے سپین کی جنگ سے تجربہ حاصل کیا۔ وہ زیادہ ہیں۔ اور وہی کام کر رہے ہیں۔ پس گو بظاہر اس وقت یہی نظر آتا تھا۔ کہ حکومت جرمنی نے بلاوجہ اپنے ہزاروں آدمیوں کو مروا ڈالا۔ مگر آج اسی کے نتیجہ میں ہزارہا جرمن عملی تربیت حاصل کر کے موجودہ جنگ میں کام کر رہا اور قوم کے لئے مفید ثابت ہو رہا ہے۔

تو بڑھنے والی قوموں کے لئے یہ لازمی اور ضروری ہوتا ہے۔ کہ وہ فوجی کاموں میں حصہ لیں۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ دنیا میں دائمی امن ہو سکتا ہے۔ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ دنیا میں نہ کبھی دائمی امن پہلے ہوا۔ اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔ اختلاف ہمیشہ رہا ہے۔ اور ہمیشہ رہیں گے۔ اور قرآن کریم سے یہ امر واضح طور پر ثابت ہے۔ پس خواہ دنیا کتنی ہی تدابیر کرے۔

کامل امن اور ہمیشہ کا امن

کبھی میسر نہیں آ سکتا۔ اور اگر کامل امن اور ہمیشہ کا امن دنیا میں حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ چیز اللہ تعالےٰ نے صرف اگلے جہان کے لئے ہی مخصوص کی ہوئی ہے۔ تو یہ امر ضروری ہوا۔ کہ ہر قوم کے نوجوان جنگی تربیت حاصل کریں۔ اگر وہ جنگی تربیت حاصل

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نہیں کریں گے۔ تو دوسری قوموں کے مقابلہ میں وہ کبھی ٹھہر نہیں سکیں گے۔ تو جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ اگر اور کوئی فائدہ نہ بھی ہو۔ تو بھی محض اس وجہ سے کہ اس طرح جنگی تربیت حاصل کرنے کا ایک موقعہ مل رہا ہے۔ ہمارے لئے اس سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ اور جیسا کہ میں بتا چکا ہوں۔ ہماری جماعت کے

سینکڑوں نوجوانوں نے شوق سے اسمیں حصہ لیا

اور اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے پیش کر دیا ہے۔ لیکن اس بھرتی سے ہمیں ایک اور فائدہ بھی حاصل ہوا ہے۔ اور وہ یہ کہ ہماری توجہ ایک اور اہم معاملہ کی طرف پھر گئی ہے۔ اگر یہ بھرتی کا موقعہ نہ آتا۔ تو نہ معلوم وہ بات کب تک ہماری نظروں سے اوجھل رہتی۔

وہ بات یہ ہے کہ اس فوجی بھرتی کے نتیجہ میں یہ نہایت ہی افسوسناک امر ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کہ

احمدی نوجوانوں کی صحتیں

خطرناک طور پر گری ہوئی ہیں۔ اگر بھرتی کا یہ موقعہ نہ ملتا۔ تو شاید ہمیں اس کا علم دیر تک نہ ہوتا۔ احمدی نوجوانوں کے وزن بالعموم اس وزن سے کم ہیں۔ جتنا وزن اس عمر میں نوجوانوں کا ہوا کرتا ہے۔ احمدی نوجوانوں کی نظریں بالعموم ان نظروں سے کم ہیں۔ جتنی نظریں اس عمر میں نوجوانوں کی ہوا کرتی ہیں۔ اور احمدی نوجوانوں کی کمریں بالعموم اس معیار سے بہت کمزور ہیں۔ جتنی اس عمر میں نوجوانوں کی کمروں میں طاقت ہوا کرتی ہے۔ اور یہ امر ایسا خطرناک ہے۔ جس کی جتنی جلد اصلاح ممکن ہو۔ اتنی ہی جلدی کرنی چاہیئے۔ پس اگر اس فوجی تربیت میں شریک ہونے کے اعلان سے کوئی اور فائدہ نہ بھی ہو۔ تب بھی اس ذریعہ سے ہمیں یہ جو فائدہ حاصل ہوا ہے۔ یہ خود اپنی ذات میں بہت اہم ہے۔ اور میں غور کر رہا ہوں کہ آئندہ نوجوانوں کے لئے ایسے قواعد تیار کئے جائیں۔ جن کے نتیجہ میں ان کے

تمام قوےٰ کی حفاظت

ہو۔ اور جو اچھے بہادر اور تندرست نوجوان بنانے میں ہمارے ممد ہوں۔ میرے نزدیک تمام نوجوانوں کا

سالانہ معائنہ

ہوتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ ان کی صحت میں اگر کوئی نقص واقعہ ہو۔ تو اسکی فوری اصلاح کی جا سکے۔ اور چاہے جنگی بھرتی ہو یا نہ ہو۔ جن ذرائع سے بھی ان نقصوں کی اصلاح ہو سکتی ہو۔ ان ذرائع کو کام میں لانا چاہیئے۔

غرض ایک تو ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ آئندہ نسل میں یہ نقص پیدا ہی نہ ہوں۔ اور دوسری طرف ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ جن میں نقائص ہیں۔ ان سے نقائص کو دور کر دیا جائے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس قسم کے کرتبوں کی طرف جن سے صحت پیدا ہوتی ہے۔ ہمیشہ توجہ رکھتے تھے۔ مگر ہمارے ملک میں بھیڑ چال کی عادت ہے۔ میں نے پہلے بھی بارہا توجہ دلائی ہے۔ کہ ہمارا ملک ایسی کھیلوں میں لگا رہتا ہے۔ جو نہ تو صحت کو کوئی حقیقی فائدہ پہنچاتی ہیں۔ اور نہ سارے نوجوان ان کھیلوں میں حصہ لے سکتے ہیں۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ابھی تک قادیان کے نوجوانوں نے بھی میری اس نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور

یورپ کی نقل

ان میں بدستور قائم ہے۔ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ یورپ میں چونکہ کرکٹ اور ہاکی کھیلی جاتی ہے۔ اسلئے ہمیں بھی کرکٹ اور ہاکی ہی کھیلنی چاہیئے۔ اور وہ یہ نہیں جانتے۔ کہ یورپ میں صرف ہاکی اور کرکٹ ہی نہیں کھیلی جاتی۔ بلکہ وہ کھیلیں بھی وہاں کھیلی جاتی ہیں۔ جن کے ذریعہ نوجوانوں میں طاقت پیدا ہوتی اور ان کی صحت درست رہتی ہے۔ ہمارے نوجوان صرف کرکٹ اور ہاکی کھیلتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ صحت کے لئے تمام ضروری کھیلیں انہوں نے کھیل لیں۔ حالانکہ کرکٹ اور ہاکی صحت کے لئے مفید نہیں۔ بلکہ خالی ان پر قناعت کی جائے۔ تو مضر ہیں۔ اور یورپ میں بھی صرف کرکٹ اور ہاکی ہی کھیل نہیں سمجھے جاتے۔ بلکہ ان میں اور بھی کئی کھیلوں کا رواج ہے۔ مثلاً ان کو

باکسنگ

سکھایا جاتا ہے۔ اور باکسنگ اتنی خطرناک چیز ہے۔ کہ ہمارے نوجوانوں میں سے سَو میں سے شاید ایک اسے برداشت کر سکے۔ دونوں جوانوں کو آمنے سامنے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ اور انہیں کہا جاتا ہے۔ کہ وہ بے دردی سے ایک دوسرے کو مکے ماریں۔ اب ذرا سکول میں یہ کھیل تو کرا کر دیکھو۔ دوسرے ہی دن لڑکوں کے والدین شور مچا دیں گے۔ کہ ہم اپنے بچوں کو اس سکول سے نکالتے ہیں۔ ہم نے استاد سمجھ کر لڑکوں کو ان کے پاس بھیجا تھا۔ نہ کہ قصاب سمجھ کر۔ مگر انگلستان میں اکثر تعلیمیافتہ نوجوان باکسنگ جانتے ہیں۔ اور جسے باکسنگ آتا ہو۔ وہ اکیلا اگر دس بیس کے نرغہ میں پھنس جائے۔ تو وہ بغیر سوٹی کے۔ بغیر تلوار کے بغیر کسی ہتھیار کے محض ہاتھوں کے ذریعہ ان سب کو زخمی کر دے گا۔ اور خود بچ جائے گا۔ باکسنگ دراصل پرانے زمانہ کا

ایک قسم کا گتکا

ہے۔ اسی طرح اور کئی ورزشیں ہیں۔ جن میں سے بعض ہمارے ہاں بھی سکولوں میں مقرر ہیں۔ مگر ان کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ زیادہ تر انہیں یہی خیال رہتا ہے۔ کہ ہاکی کے میچ کھیلے جائیں اور کپ جیتا جائے۔ حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے۔ کہ گو ہاکی جیت کر وہ کپ لا رہے ہوتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی اپنی صحت کو بھی کھو رہے ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں پی۔ٹی ہے۔ یہ ہمارے ہاں بھی ہے۔ مگر یہ

فزیکل ٹریننگ

اتنی بے توجہی سے ہوتی ہے۔ کہ اس کا جو فائدہ ہے۔ وہ لڑکوں کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ بالعموم سمجھا جاتا ہے۔ کہ فزیکل ٹریننگ محض قانون کو پورا کرنے کے لئے ہے۔ حالانکہ فزیکل ٹریننگ ہی صحت کو درست کرنے والی ہے۔ کرکٹ اور ہاکی صحت کو درست کرنے والی چیزیں نہیں۔

اسی طرح پرانے زمانہ میں

ہوری زنٹل بار پر مختلف قسم کی کھیلیں

کھیلی جاتی تھیں۔ اور وہ صحت کے لئے بے حد مفید ہوتی تھیں۔ مگر اب ان کی طرف بھی کوئی خاص توجہ نہیں رہی۔

اسی طرح اونچی چھلانگیں لگانا۔ لمبی چھلانگیں لگانا۔ گولہ پھینکنا۔ تیرنا اور رسہ کشی وغیرہ نہایت مفید کھیلیں ہیں۔ مگر اب یہ تمام کھیلیں ایک ایک کر کے مفقود ہو رہی ہیں۔ یہاں کے نوجوانوں کی رسہ کشی میں نے خود بھی دیکھی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا بالکل اناڑی ہیں۔ جب کوئی میچ مقرر ہوا۔ تو پندرہ دن پہلے اندر سے رسہ نکالا۔ اسکی میل جھاڑی اور چند دن لڑکوں کو رسہ کشی کی مشق کرا دی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ چونکہ رسہ کشی کا صحیح طریق انہیں آتا نہیں۔ اس لئے جب وہ رسہ کھینچا جاتا ہے۔ تو ایک کی ٹانگ ادھر جا رہی ہوتی ہے۔ اور دوسرے کا سر ادھر جھکا ہوا ہوتا ہے۔ پھر جو دو فریق ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے تو دس بارہ دن مشق کی ہوئی ہوتی ہے اور دوسرے نے پانچ سات دن۔ اس لئے دس بارہ دن مشق کرنے والا فریق جیت جاتا ہے۔ اور واہ واہ کا شور مچ جاتا ہے۔ حالانکہ رسہ کشی میں وہ بھی اناڑی ہوتا ہے۔

اب بھلا ایسے نوجوانوں کی صحت کس طرح درست رہ سکتی ہے۔ جو فزیکل ٹریننگ میں تو حصہ نہ لیں۔ اور ہاکی اور کرکٹ ہی کھیلتے رہیں۔ پس ہاکی اور کرکٹ کو صحت کے لئے کافی سمجھنا انتہائی غلطی ہے۔

ہاکی قطعی طور پر صحت پر اچھا اثر پیدا نہیں کرتی

بلکہ مضر اثر پیدا کرتی ہے۔ ہاکی میں ہاتھ جڑے رہتے ہیں۔ اور سانس سینہ میں پھولتا نہیں۔ اور اس طرح باوجود کھیلنے کے سینہ چوڑا نہیں ہوتا۔ مگر پی۔ٹی سے جسم مضبوط ہوتا ہے۔ کمر طاقتور ہوتی ہے۔ سینہ چوڑا ہوتا ہے۔ اور سانس پیٹ میں اچھی طرح سمانے کی مشق ہوتی ہے۔ جو صحت کی درستی کے لئے ضروری ہے۔ اسی طرح دوڑنا۔ کودنا۔ چھلانگیں لگانا بوجھ اٹھانا۔ گولہ پھینکنا ایسی کھیلیں ہیں۔ جو نہ صرف صحت کے لئے مفید ہیں۔ بلکہ انسان کی عملی زندگی میں کام آنے والی ہیں۔ مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ صحت کے لئے جو

مفید ورزشیں

ہیں۔ ان کی طرف ہماری جماعت کے نوجوانوں کی توجہ بہت کم ہے۔ اور جو کھیلیں صحت کے لئے مضر ہیں۔ ان کی طرف بہت توجہ ہے۔ پھر پی۔ٹی میں ملک کے سارے نوجوان حصہ لے سکتے ہیں۔ مگر کرکٹ میں غریب لڑکے حصہ نہیں لے سکتے۔ کرکٹ پر ماہوار ہر کھلاڑی کا ایک دو روپیہ خرچ آ جاتا ہے۔ اور اتنا خرچ تو غربا اپنی تعلیم کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ کھیلوں کے لئے وہ کس طرح برداشت کر سکتے ہیں۔ ہمارے ملک کا ہزارہا لڑکا سکول سے محض اسلئے اٹھا لیا جاتا ہے۔ کہ ان کے والدین دو آنے یا چار آنے ماہوار فیس دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ پس جبکہ وہ دو آنے یا چار آنے ماہوار فیس نہیں دے سکتے۔ تو وہ روپیہ دو روپیہ تک کرکٹ کے لئے کس طرح خرچ کر سکتے ہیں۔ اگر کرکٹ کو صحیح طور پر کھیلا جائے۔ تو بال روزانہ بدلنا پڑتا ہے۔ پھر بیٹ نہایت قیمتی ہوتا ہے۔ اسی طرح کرکٹ کے لئے فیلڈ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کرکٹ کھیلنے والوں کو کچھ ایڈ بھی مل جائے۔ تو بھی پچیس۔ تیس۔ چالیس روپے انہیں اپنے پاس سے ماہوار خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ اور اس طرح ڈیڑھ دو روپیہ ماہوار ہر لڑکے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کو اپنے پاس سے دینا پڑتا ہے۔ مگر پی ٹی میں کسی کا کیا خرچ آتا ہے۔ ہاتھ اونچا کرو ہاتھ نیچا کرو۔ کمر نیچی کرو۔ کمر اوپر کرو۔ پاؤں آگے کرو۔ پاؤں پیچھے کرو۔ بتاؤ کیا کوئی غریب سے غریب زمیندار بھی ایسا ہے۔ جو اس میں حصہ نہ لے سکے۔ پس اگر ان ورزشوں کو جاری کیا جائے۔ تو ایک ادنےٰ سے ادنےٰ اور غریب سے غریب آدمی جسے کُرتہ بھی میسر نہیں۔ جسے تہہ بند بھی میسر نہیں۔ اور جو صرف ایک لنگوٹی پہنے پھرتا ہے۔ وہ بھی ان میں شریک ہو سکتا اور اپنی صحت کو درست کر سکتا ہے۔ مگر تمہاری کرکٹ اور تمہاری ہاکی میں وہ کس طرح شریک ہو سکتا ہے۔ یہ تو

امیروں کی کھیلیں

ہیں۔ جو انہوں نے اسلئے جاری کی تھیں۔ کہ غریب الگ رہیں۔ اور وہ الگ۔ اگر وہ کھیل میں ہمارے ساتھ شامل ہوگئے۔ تو اس سے ہماری عزت میں فرق پڑ جائے گا۔ انہوں نے ہی اس قسم کی کھیلوں کو رواج دیا۔ پس یہ ایسی کھیلیں نہیں۔ جنہیں کھیلا جائے۔ صرف فزیکل ٹریننگ ہی ایسی چیز ہے۔ جو مفید ہے۔ اور جس میں امیر اور غریب دونوں حصہ لے سکتے ہیں۔

پرانے زمانوں میں مگدر ہُوا کرتے تھے

گاؤں میں کسی ایک مقام پر وہ پڑے رہتے۔ اور جو آتا۔ وہ مگدر پھیر کر اور چند منٹ ورزش کر کے چلا جاتا۔ اور کسی کا اس پر کچھ بھی خرچ نہیں آتا تھا۔ یا مثلاً بیٹھکیں نکالنا ہے۔ اب اس اٹھک بیٹھک پر کسی کا کیا خرچ آتا ہے۔ یا ڈنڑ نکالنے میں ان کا کیا خرچ ہو سکتا ہے۔ کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا۔ اور پھر مزید فائدہ یہ ہے۔ کہ ہر شخص ان میں حصہ لے سکتا ہے۔ لیکن کرکٹ اور ہاکی میں سارا ملک نہیں۔ آدھا ملک نہیں چوتھا حصہ ملک کا نہیں۔ بلکہ ملک کا دسواں حصہ بھی شامل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک دفعہ حساب کر کے میں نے بتایا تھا۔ کہ اگر کرکٹ۔ ہاکی اور فٹ بال کے لئے تمام ملک کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے فیلڈز بنا دی جائیں۔ تو زراعت کے لئے بہت ہی تھوڑی جگہ رہ جائے۔ اور پھر لوگ کرکٹ کے بال اور وکٹیں کھایا کریں۔ روٹی اور غلہ انہیں نہ ملے۔ تو چند محدود نوجوانوں میں ہی یہ کھیلیں جاری ہو سکتی ہیں۔ سارے ملک

میں نہیں۔ اور پھر باوجود ایسی کھیلیں کھیلنے کے نتیجہ ظاہر ہے۔ کرکٹ اور ہاکی کھیلنے کے باوجود ہماری جماعت کے نوجوانوں کے جسم مضبوط نہیں ہو سکے۔ اگر فزیکل ٹریننگ سے وہ اپنے اندر طاقت پیدا کرتے۔ اگر رسہ کشی کرنا۔ گولہ پھینکنا۔ کودنا۔ تیرنا اور چھلانگیں لگانا وہ اپنے لئے ضروری سمجھتے۔ تو آج ان کی جسمانی حالت بالکل اور ہوتی۔ کیونکہ انہی کھیلوں سے وہ طاقتیں پیدا ہوتی ہیں۔ جو آئندہ زندگی میں کام آیا کرتی ہیں۔ چونکہ ہماری جماعت کے نوجوانوں نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔ اسی لئے آج باوجود اس بات کے کہ ان میں جوش ہے۔ ان میں اخلاص ہے۔ ان میں ولولہ اور ہمت ہے۔ جب وہ آگے آتے اور فوجی ٹریننگ کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ تو

ڈاکٹری معاینہ

کے بعد انہیں کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ تم فوجی خدمت کے قابل نہیں۔ صحت کا یہ معیار اس قدر گرا ہُوا ہے۔ کہ ہماری جماعت کے سو نوجوان پیش ہوتے ہیں۔ اور ان سو میں سے افسران متعلقہ صرف دس کا انتخاب کرتے ہیں۔ اسی طرح کچھ عرصہ ہُوا۔ کئی سو نوجوانوں میں سے افسروں نے بائیس نوجوانوں کو چنا۔ اور ان بائیس میں سے بھی صرف پانچ منظور ہوئے۔ یہ حالات جو ظاہر ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔ اور ثابت کر دیا ہے۔ کہ میں نے آج سے دو سال پہلے

مغربی کھیلوں کی بجائے دیسی

کھیلیں جاری کرنے کی جو تحریک شروع کی تھی۔ وہ نہایت ہی باموقع اور برمحل تھی۔ مگر افسوس ہے۔ کہ ہماری جماعت نے اسکی طرف توجہ نہ کی جس کا خراب نتیجہ اب نظر آ رہا ہے۔ یہ سوال جانے دو۔ کہ آج انگریزی فوج میں بھرتی ہو رہی ہے۔ فرض کرو۔ کل احمدی حکومت ہو۔ اور اسکی حفاظت کے لئے نوجوانوں کی ضرورت ہو۔ تو اس وقت کونسے نوجوان کام آئیں گے۔ آخر

لولے لنگڑے تو احمدی فوج میں بھرتی نہیں ہونگے

بھرتی کے لئے تو صرف وہی لئے جائیں گے۔ جو کام کے قابل ہوں گے۔ مگر وہ نوجوان آئینگے کہاں سے۔ جب ہماری صحتیں گری ہوئی ہونگی۔ اس وقت تو صرف دل میں کڑھنے والی بات رہ جائے گی۔ جیسے رسول کریم صلے اللہ علیہ

والہٖ وسلم ایک جنگ کے لئے جا رہے تھے تو آپؐ نے صحابہؓ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔ تم لوگ کوئی تکلیف نہیں اٹھا رہے مگر اس کا ثواب جس طرح تمہیں مل رہا ہے اسی طرح مدینہ کے بعض ان لوگوں کو بھی مل رہا ہے۔ جو اس وقت اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ یہ کیا ہُوا کہ تکلیف تو ہم اٹھائیں۔ اور ثواب میں وہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ لوگ وہ نادار اور کمزور اور ضعیف اور لولے لنگڑے ہیں۔ جو جنگ میں شامل ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔ مگر ان کے دل اس حسرت سے جل رہے ہیں۔ کہ کاش ہمیں طاقت ہوتی۔ اور ہم بھی اس جہاد میں شریک ہوتے۔ پس اس قسم کا ثواب بے شک معذور احمدیوں کو بھی مل جائے گا۔ مگر اس ثواب کے ساتھ عذاب بھی ہوتا ہے۔ اور انسان کے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے۔ کہ افسوس وہ خدا تعالیٰ کے دین کے کام نہ آسکا۔ گویا یہ ثواب اس عذاب کے نتیجہ میں ملتا ہے۔ جو انسان کے دل کو ہوتا ہے۔ اور گو اللہ تعالےٰ کے حضور وہ ثواب کا مستحق ہو جائے۔ مگر قوم اور ملک کے لئے وہ مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ پس اس قسم کے نوجوان اگر ہماری جماعت میں ہوئے تو بجائے

ملکی اور مذہبی خدمات

سرانجام دینے کے وقت آنے پر وہ دل میں کڑھیں گے۔ اور کہیں گے۔ کاش ہماری نظر اچھی ہوتی۔ کاش ہمارے ہاتھوں میں طاقت ہوتی۔ کاش ہماری کمر مضبوط ہوتی۔ اور ہم بھی خدا تعالےٰ کی رضا کے لئے ملکی خدمات کی خاطر اپنے آپ کو پیش کر سکتے۔ مگر اس میں قصور کسی اور کا نہیں۔ بلکہ خود ان کا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے ہی اس قسم کی طاقتیں پیدا کرنے سے بے اعتنائی کی ہوگی۔ میں نے خدام الاحمدیہ کو بھی اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اور انہیں نصیحت کی تھی۔ کہ وہ اس قسم کی کھیلیں نوجوانوں میں رائج کریں۔ مگر انہوں نے بھی اس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ حالانکہ ادھر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ پھر جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ

نوجوانوں کا باقاعدہ معائینہ

ہوتا رہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے۔ کہ نوجوانوں کی صحت کی ترقی کی کیا رفتار ہے۔ اور کس حد تک ہمیں اپنی کوششوں میں کامیابی ہو رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ اگر ہم تھوڑی سی بھی توجہ کریں۔

تو نوجوانوں کی صحت پہلے سے بہت زیادہ اچھی ہو سکتی ہے۔ اور صحت کی درستی کے ساتھ اخلاق بھی درست ہوتے ہیں۔ جب کسی شخص کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ تو اس کے اندر چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ سُست اور کاہل رہنے لگ جاتا ہے۔ اسی سستی اور کاہلی کی وجہ سے رفتہ رفتہ وہ نمازوں میں سست ہو جاتا ہے۔ پہلے اسکی ایک نماز باجماعت جاتی ہے۔ پھر دو نمازیں رہ جاتی ہیں۔ پھر تین نمازیں رہ جاتی ہیں۔ پھر چار اور پھر پانچوں نمازیں ہی باجماعت پڑھنے سے وہ رہ جاتا ہے۔ اور

گھر پر نماز پڑھنے کا عادی

ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ گھر پر بھی نمازوں میں ناغہ ہونے لگتا ہے۔ اور آخر نوبت یہاں تک پہنچتی ہے۔ کہ وہ نماز کو بالکل چھوڑ بیٹھتا ہے۔ تو در اصل صحت کی خرابی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مگر شروع صحت کی خرابی سے ہوتا ہے۔ اور انجام بے ایمانی نکلتا ہے۔ دیکھنے والا سمجھتا ہے۔ کہ یہ محض سستی کر رہا ہے۔ بیمار نہیں۔ حالانکہ وہ بیمار ہوتا ہے۔ مگر چونکہ ہڈی یا جسم کو اوپر سے دیکھ کر کسی کی بیماری کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ اسلئے عام لوگ دوسروں کی بیماری کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ

فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایک دفعہ باتوں باتوں میں میں نے مولوی عبد الکریم صاحب سے کہا۔ کہ ہمارے ملک میں خوبصورت آدمی کوئی نہیں ہوتا۔ مولوی عبد الکریم صاحب کہنے لگے۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ ہمارے ملک میں بڑے بڑے خوبصورت لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر خوبصورتی کے یہ معنے ہیں۔ کہ رنگ گورا ہو۔ چہرہ خوب چمکتا ہو۔

آنکھ ناک کا نقشہ

اچھا ہو۔ تو اس قسم کے خوبصورت کئی لوگ مل جائیں گے۔ مگر میں تو اسے خوبصورت سمجھتا ہوں۔ جس کی تندرستی سلامت ہو۔ وہ کہنے لگے اچھا۔ تو آپ کے نزدیک کوئی تندرست ہے ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا میرے نزدیک تو بہت کم ایسے لوگ ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک کوئی ایسا شخص قادیان میں ہے۔ تو بتائیے۔ انہوں نے قادیان میں سے دو آدمی چنے۔ اور کہا دیکھئے یہ کیسے خوبصورت ہیں۔ وہ دونوں ایسے تھے۔ کہ بظاہر بڑے تندرست تھے۔ رنگ سفید تھا اور ان کا چہرہ خوب چمکتا تھا۔ اس وقت دوسرا شخص تو موجود نہیں تھا۔ اتفاقاً ایک سامنے ہی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تھا۔ حضرت خلیفہ اول رضؓ نے اسے بلایا۔ اور کہا۔ ذرا ادھر تو آؤ۔ وہ آیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ ذرا اپنے سینہ سے کرتہ اٹھاؤ۔ اس نے کرتہ جو اٹھایا۔ تو اس کے سینہ کی تمام ہڈیاں ٹیڑھی نظر آئیں۔ اسے

رکٹ کا مرض

تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے سینہ کی ہڈیاں ٹیڑھی تھیں۔ مگر مُنہ پر اس کا چونکہ کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اسلئے مُنہ اس کا خوبصورت تھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب بڑے نازک مزاج تھے۔ انہوں نے جب اس کا سینہ دیکھا۔ تو لاحول پڑھنے لگے۔ اور فرمانے لگے۔ یہ تو بڑا بدصورت شخص ہے۔

تو اس تحریک سے ہمیں یہ ایک بہت بڑا فائدہ ہوا ہے۔ کہ ہمیں اپنے

نوجوانوں کی کمزوری صحت کا علم

ہو گیا ہے۔ اور ہم اگر چاہیں۔ تو اس طرف توجہ کر کے اس نقص کا بہت حد تک ازالہ کر سکتے ہیں اس کے بعد میں ایک اور مضمون کے متعلق کچھ باتیں کہنا چاہتا ہوں۔

میں نے پچھلے دنوں بعض خطبات پڑھے ہیں۔ جن میں

موجودہ جنگ

کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ میں نے کہا تھا۔ کہ باوجود اس بات کے کہ پنجاب کے بعض حکام سے ہمارا اختلاف رہا۔ بلکہ اب بھی ہے۔ اور باوجود اس کے کہ ہم اس اختلاف کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہم اسے بھول سکتے ہیں۔ اس وقت ایک ایسا خطرہ درپیش ہے۔ کہ اسکی موجودگی میں ہمیں فی الحال اس جھگڑے کو بند کر دینا چاہیئے۔ اور اس دشمن کا متحدہ طور پر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ جو برطانیہ پر حملہ آور ہے۔ کیونکہ اس کے کامیاب ہو جانے کی صورت میں

اسلام اور احمدیت کے لئے سخت مشکلات

پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے۔

میرے ان خطبات کے متعلق ایک خط قادیان سے ہوتا ہوا مجھے سندھ میں ملا۔ وہ ایک احمدی نوجوان کا خط ہے۔ اور لاہور سے آیا ہے۔ اسی خط میں اس احمدی نوجوان نے لکھا ہے۔ کہ آپ نے خطبات تو اسلئے پڑھے ہوں گے۔ کہ انگریزی حکومت کی امداد کی جائے۔ اور اسکی تائید اور حمایت کی جائے۔ لیکن مجھ پر یہ اثر ہوا ہے۔ کہ ان خطبات کے نتیجہ میں مجھے انگریزوں سے اور بھی زیادہ نفرت ہو گئی ہے۔ اور ان کی تباہی کی خواہش میرے دل میں پہلے سے بھی بڑھ گئی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ کہ آپ نے یہ کس طرح کہہ دیا۔ کہ اگر انگریزی حکومت نہ رہے۔ تو میں موت کو اپنے لئے زیادہ پسند کروں گا۔ اس سے تو انگریزوں کی دائمی غلامی کی محبت کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ آپ چاہتے ہیں۔ کہ انگریز ہمیشہ حاکم رہیں۔ اور ہم ہمیشہ ان کے غلام رہیں۔

میں نے وہ خطبات تو واقعہ میں اسی لئے پڑھے تھے۔ کہ انگریزوں کی امداد ہو۔ لیکن اس نوجوان پر یہ اثر ہوا ہے۔ کہ وہ لکھتا ہے مجھے انگریزوں سے اور بھی نفرت ہو گئی ہے۔ کیونکہ ان خطبات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ

انگریزوں کی دائمی غلامی

ہمیں نصیب ہو جائے گی۔ میں اس کی پیش کردہ باتوں کا جواب تو آگے چل کر دونگا۔ مگر جب میں نے یہ خط پڑھا۔ تو میں نے اپنے دل میں کہا۔ چلو میرے خطبوں نے دونوں قوموں کو خوش کر دیا۔ ایک طرف انگریز خوش ہو گئے۔ کہ میں نے اس نازک موقعہ پر جماعت کو ان کی اعانت کی تحریک کی۔ اور دوسری طرف کانگرس کے اکسٹریمسٹ (Extremist) مسٹر بوس وغیرہ کو بھی میرا ممنون ہونا چاہیئے۔ کہ بعض لوگوں پر میرے ان خطبات کا یہ اثر ہوا ہے۔ کہ ان کے دلوں میں انگریزوں کی نفرت اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کہتے ہیں

دو شکار ایک پتھر کے ساتھ

سو میرے ان دو خطبات نے دونوں کو شکار کر لیا۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ تھا۔ اب میں اصل مضمون کی طرف آتا ہوں۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ لوگ افتراء کرتے ہیں۔ جھوٹ باندھتے ہیں۔ غلط الزام لگاتے ہیں۔ مگر وہ دشمن ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اتہام ایک دوست نے لگایا ہے۔ اس دوست نے جو احمدی ہے۔ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ کہ میں نے کبھی یہ کہا ہے۔ کہ اگر انگریزی حکومت چلی جائے۔ تو میں موت کو ترجیح دوں گا۔ یا یہ کہ انگریزوں کی حکومت ہمیشہ ہمیش قائم رہے اور ان کی

دائمی غلامی

دنیا کو نصیب رہے۔ میرے خطبے چھپے ہوئے موجود ہیں۔ اور اس دوست نے بھی چھپے ہوئے خطبے ہی پڑھے ہیں۔ چنانچہ وہ یہ نہیں کہتے۔ کہ میں نے آپ کو یہ کہتے سنا۔ بلکہ وہ لکھتے ہیں۔ کہ میں نے آپ کے خطبے چھپے ہوئے پڑھے۔ پس وہ یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ آپ نے کہا کچھ تھا۔ پھر خطبہ پر نظر ثانی کرتے ہوئے اسے بدل دیا۔ ان حالات میں میں حق رکھتا ہوں۔ کہ ان سے پوچھوں۔ کہ وہ میرے الفاظ کیا ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انگریزوں کی دائمی غلامی مجھے محبوب ہے۔ یا یہ کہ اگر انگریزی حکومت نہ رہے۔ تو میں موت کو پسند کروں گا۔ میں نے یہ ہرگز نہیں کہا۔ کہ اگر انگریزی حکومت چلی جائے۔ تو میں زندگی پر موت کو ترجیح دوں گا۔ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ میں تو اس بات کا قائل ہوں۔ کہ انگریزی حکومت چھوڑ دنیا میں

سوائے احمدیوں کے اور کسی کی حکومت نہیں رہے گی

پس جبکہ میں اس بات کا قائل ہوں۔ بلکہ اس بات کا خواہشمند ہوں۔ کہ دنیا کی ساری حکومتیں مٹ جائیں۔ اور ان کی جگہ احمدی حکومتیں قائم ہو جائیں۔ تو میرے متعلق یہ خیال کرنا کہ میں اپنی جماعت کے لوگوں کو انگریزوں کی دائمی غلامی کی تعلیم دیتا ہوں۔ کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ پھر جس کی یہ خواہش ہو۔ کہ دنیا میں احمدی حکومت قائم ہو جائے۔ اور احمدی حکومت کے سوا اور کوئی حکومت نہ رہے کیا وہ کہہ سکتا ہے۔ کہ اگر انگریز چلے جائیں۔ تو میں زندگی پر موت کو ترجیح دے دوں گا۔

پس یہ بالکل غلط بات ہے۔ جو کہی گئی۔ اور چونکہ یہ کہنے والا ایک احمدی ہے۔ اس لئے میں یہ تو نہیں کہتا۔ کہ اس نے افتراء کیا ہے۔ مگر میں یہ ضرور کہوں گا۔ کہ یہ بات جھوٹ ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ خطبہ میں ایسے الفاظ ہیں۔ کہ فلاں بات نہ ہو۔ تو میں موت کو ترجیح دوں گا۔ مگر یہ الفاظ نہیں۔ کہ اگر

انگریزی حکومت

جاتی رہے۔ تو میں زندگی پر موت کو ترجیح دونگا میرے الفاظ کا مطلب یہ تھا۔ کہ اگر ایسی حکومت جس میں تبلیغ کی آزادی ہے۔ جاتی رہے اور اسکی بجائے کوئی ایسی حکومت آ جائے۔ جو تبلیغ کو بند کر دے۔ اور دہریت اور الحاد کی رَو چلا دے۔ تو میں چاہتا ہوں۔ کہ اس دن کے آنے سے پہلے پہلے ہر احمدی مر جائے۔ تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کہہ سکے۔ کہ جب تک میں زندہ رہا۔ میں نے تیرے نام کو نہیں چھپایا۔ میری موت کے بعد اگر کوئی ایسے حالات پیدا ہو گئے۔ تو مجھے ان کا علم نہیں۔ اور ان الفاظ میں اور ان الفاظ میں جو اس احمدی نے لکھے۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔

میرے اس بیان پر جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔

تین قسم کے اعتراض

ہو سکتے ہیں۔

اوّل معترض یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ بے شک یہ صورتِ حالات پیدا ہو جائے۔ ہمیں اس کی پروا نہیں۔ آپ کہتے ہیں۔ میں ایسی حالت سے موت بہتر سمجھتا ہوں۔ سو آپ بے شک موت بہتر سمجھیں۔ ہم ان حالات میں موت کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ اور نہ ہم اس صورت حالات کی پروا کر سکتے ہیں۔ اس اعتراض کو دوسرے الفاظ میں یوں ادا کیا جا سکتا ہے۔ کہ دنیا میں سے بے شک ایسی حکومتیں مٹ جائیں۔ جو اپنی رعایا کو تبلیغ کی اجازت دیتی ہیں۔ اور بے شک وہ حکومتیں قائم ہو جائیں۔ جو تبلیغ کو جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیتیں۔ مگر بتاؤ۔ کیا کسی احمدی کے مُنہ سے یہ کلمات نکل سکتے ہیں۔ اگر نہیں۔ تو پھر اعتراض کیا ہوا۔ میں سمجھتا ہوں۔ ہر احمدی بلکہ ہر وہ شخص جو کسی نہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک ساعت کے لئے بھی یہ کہنا تو الگ رہا۔ یہ خیال کرنا بھی گناہ سمجھیگا کہ دنیا سے وہ نظام تو مٹ جائے۔ جس میں تبلیغ کی آسانیاں ہوں۔ اور وہ نظام قائم ہو جائے۔ جس میں تبلیغ پر پابندیاں ہوں۔ اور یہ کہ اگر ایسا نظام قائم ہو جائے۔ تو وہ اسکی کچھ پروا نہیں کریں گے۔ میرے نزدیک کسی مذہبی آدمی کے دل اور دماغ میں اس قسم کا خیال نہیں آ سکتا۔

دوسری صورت اعتراض کی یہ بنتی ہے۔ کہ کوئی شخص کہے۔ اس قسم کی کوئی تبدیلی ممکن ہی نہیں۔ یہ محض ایک وہم ہے۔ ایسی کوئی تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی۔ اس اعتراض کی آگے دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ یہ کہے۔ کہ انگریز ہار ہی نہیں سکتے۔ انہیں خدا تعالےٰ کی طرف سے ایسی طاقت اور قوت حاصل ہے۔ کہ یہ کسی دشمن سے شکست نہیں کھا سکتے۔ اس صورت میں اعتراض یہ ہوگا۔ کہ جب اس قسم کا کوئی موقعہ آ ہی نہیں سکتا۔ اور انگریزوں کا شکست کھانا بالکل ناممکنات میں سے ہے۔ تو یہ کہنا۔ کہ اگر یہ ہار جائیں۔ اور ان کی جگہ کوئی اور ایسی حکومت آ جائے۔ جو تبلیغ کی اجازت نہ دے۔ تو میں زندگی پر موت کو ترجیح دونگا بے فائدہ ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

گویا اس صورت میں تبلیغ کی آزادی کی اہمیت تو تسلیم کی جائے گی۔ مگر ساتھ ہی کہا جائیگا۔ کہ جب انگریز ہار ہی نہیں سکتے۔ تو اس قسم کے خدشات پیدا کرنے کا کیا مطلب؟ مگر یہ بھی بالکل غلط ہے۔ کیونکہ کوئی ایسا ذریعہ نہیں۔ جس کے ماتحت یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہو۔ کہ انگریزی حکومت ہار نہیں سکتی۔ اور نہ خدا تعالےٰ کا کوئی ایسا وعدہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہو۔ کہ انگریز ہمیشہ حکمران رہیں گے۔ پس یہ صورت بھی درست نہ ہوئی۔ دوسری صورت اس اعتراض کی یہ ہو سکتی ہے۔ کہ آپ کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کہ جو حکومتیں انگریزوں کی جگہ لیں گی۔ وہ مذہب پر تشدد کرنے والی اور تبلیغ کو روکنے والی ہوں گی۔ بالکل ممکن ہے۔ وہ انگریزوں سے بھی زیادہ تبلیغ کی آزادی تسلیم کرنے والی ہوں۔ اور اس طرح ان کے ماتحت رہتے ہوئے مذہب پر کسی قسم کی پابندی عاید نہ ہو۔ گویا اس صورت میں اعتراض یوں بنے گا۔ کہ انگریز ہار تو سکتے ہیں۔ مگر دوسری حکومتیں اتنی بری نہیں۔ جتنا برا آپ انہیں سمجھتے ہیں۔ وہ تبلیغ کی آزادی دے دیں گی۔ اور جو خدشہ پیش کیا جا رہا ہے درست نہیں۔ اس اعتراض کا جائزہ لینے کے لئے ہم صورتِ حالات کو واقعات کے لحاظ سے دیکھتے ہیں۔ اس وقت جنگی خطرہ سب سے بڑھ کر جرمنی کی طرف سے ہے۔ جس کی پشت پر روس ہے۔ جس نے آہستہ آہستہ اب اپنے پاؤں نکالنے شروع کئے ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ان دونو حکومتوں سے تبلیغ کے راستہ میں روک واقع ہو گی۔ یا مذہبی آزادی پہلے سے بھی زیادہ ہو جائیگی۔ میں اس مقابلہ میں سب سے پہلے جرمنی کو لیتا ہوں۔

ہر ہٹلر نے اپنی کتاب مائینے کامپف میں جس میں اس نے اپنی حکومت کے اصول واضح کئے ہیں۔ لکھا ہے۔ کہ جس قوم کا مرکز باہر ہو۔ وہ

جرمن حکومت کے ماتحت

نہیں رہ سکتی۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ یہ کیونکر برداشت کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایک قوم پر حکومت کرنے والے کسی اور جگہ ہوں۔ اور اس کو ماننے والے ہمارے پاس ہوں۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے۔ کہ ہماری حکومت میں بعض لوگ رہتے ہوں۔ مگر وہ دراصل ہمارے تابع فرمان نہ ہوں۔ اور یہ امر قطعاً برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اب بتاؤ۔ اس اصل کے ماتحت احمدیت کا جرمن حکومت کے ماتحت کہاں ٹھکانا ہے۔ احمدیت کا مرکز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قادیان مقرر فرمایا ہے۔ اب فرض کرو۔ قادیان انگریزوں یا اٹلی کے ماتحت ہو۔ اور دوسرے علاقے جن میں احمدی کثرت سے ہوں۔ جرمن کے ماتحت ہوں۔ تو یقیناً اس اصل کے ماتحت جرمن حکومت احمدیوں پر ظلم شروع کر دے گی۔ اور اگر اس کے برخلاف قادیان جرمنی حکومت کے ماتحت چلا جائے۔ تو اٹلی وغیرہ حکومتیں اپنے علاقوں میں احمدیت کو نہیں پھیلنے دیں گی۔ کیونکہ وہ بھی اسی قسم کے اصول کی ماننے والی ہیں۔

دوسرا اصل جو

پہلے سے بھی زیادہ خطرناک

ہے۔ یہ ہے۔ کہ وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ ہم کسی ایسے مذہب کو اپنے ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ جس کے اقتصادی۔ تجارتی۔ اور سوشل قوانین مذہب نے بنائے ہوں۔ اور دراصل یہی وہ وجہ ہے۔ جس کی بنا پر وہ یہودیوں کا سخت دشمن ہے۔ وہ کہتا ہے۔ یہ بات کسی طرح جائز تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ کہ ایک ملک کے متعلق دو قانون ساز ہستیاں ہوں۔ میں کچھ کہوں اور وہ کچھ کہے۔ میں لوگوں کو کسی اور شاہراہ پر چلانا چاہوں۔ اور وہ اپنے مذہب کی مقرر کردہ شاہراہ پر چلیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں فلاں چیز کھاؤ۔ اور مذہب کہتا ہے۔ وہ چیز نہ کھاؤ۔ تو اب یہ میری اور اسکی لڑائی ہے۔ اور یہ لڑائی میں برداشت نہیں کر سکتا۔ میں یہی چاہتا ہوں۔ کہ جو کچھ میں کہوں وہی ہو۔ نہ وہ جو کہ کسی کورس کا مذہب بتائے۔ پس اگر کسی مذہب کے اقتصادی۔ تجارتی اور تمدنی قوانین مذہب نے بنائے ہوں۔ تو اس مذہب کو ہم اپنے ملک میں پھیلنے اور اس کے پیروؤں کو اپنے اندر بڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہودیوں کا وہ اسی لئے مخالف ہے۔ کہ یہودیت نے تفصیل کے ساتھ

تمدن کے متعلق احکام

دیئے ہیں۔ اور کھانے پینے کے مسائل بیان کئے ہیں۔ انہیں ان کے مذہب نے کہا ہے۔ کہ یہ کھاؤ اور وہ نہ کھاؤ۔ یوں کرو۔ اور اس طرح نہ کرو۔ اب یہودی جب اپنے مذہب کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ تو وہ کہتا ہے۔ میں نہیں جانتا۔ موسےٰ کون تھا۔ اور اس نے کیا حکم دیا۔ تمہیں وہی حکم ماننا پڑے گا۔ جو میں دے رہا ہوں۔ اس نے اسی ضمن میں عیسائیت پر بھی اعتراض کئے ہیں۔ بعض لوگ غلطی سے سمجھتے ہیں۔ کہ ہٹلر عیسائیت کا دشمن ہے۔ حالانکہ

ہٹلر عیسائیت کا دشمن نہیں

بلکہ وہ لکھتا ہے۔ کہ اصل عیسائی میں ہی ہوں۔ باقی عیسائی تو انجیل پر عمل ہی نہیں کر رہے۔ وہ کہتا ہے۔ انجیل میں تو صرف چند عقائد کی تعلیم ہے۔ اس نے شریعت کوئی تجویز نہیں کی۔ لیکن اب کلیسیا لوگوں کے اعمال میں بھی دخل دینے لگ گیا ہے۔ اور اس طرح اس نے سیاسیات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اس لئے حکومت مجبور ہے۔ کہ کلیسیا کو پھر اسکی حد پر لا کر کھڑا کر دے۔ اب بتاؤ اسلام ایسے ملک میں کہاں رہ سکتا اور کس طرح ترقی اور نشوونما پا سکتا ہے۔ اسلام نے تو یہودیت سے بھی بڑھ کر تفصیلی احکام اور حرام حلال کے مسائل بیان کئے ہیں۔ پس ایسی حکومت کے ماتحت رہنے کے یہ معنے ہیں۔ کہ اسلام پر ہم عمل نہ کر سکیں۔ کیونکہ ہٹلر کا یہ قائم کردہ اصل ہے۔ کہ حکومت کے ماتحت اس قسم کی دو عملی برداشت نہیں ہو سکتی۔ کہ میں کچھ کہوں۔ اور بعض لوگ بجائے اس پر عمل کرنے کے یہ کہیں۔ کہ ہمارے مذہب نے اس کے خلاف تعلیم دی ہے۔ فرض کرو۔ کسی وقت جرمنی میں سخت قحط پڑتا ہے۔ اور اسکی حکومت میں مسلمانوں کا بھی عنصر ہے۔ اس علاقہ میں سؤر زیادہ ہوتے ہیں۔ وہ حکم دے دیتا ہے۔ کہ سب لوگ سؤر کھائیں۔ اب ایک مسلمان تو حکم سنتے ہی کہہ دے گا۔ کہ میں سؤر نہیں کھاتا۔ میرے مذہب نے منع کیا ہوا ہے۔ مگر وہ کہے گا۔ تم عجیب احمق ہو۔ حکومت میری ہے۔ یا تمہارے مذہب کی۔ تمہیں میری بات ماننی پڑے گی۔ اور ضرور سؤر ہی کھانا پڑیگا۔ یہود سے ہٹلر کی جو مخالفت ہے۔ اسکی وجہ صرف یہی ہے۔ کہ یہودی ایک ایسے مذہب کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ جو انسانی اعمال میں بھی اسی طرح دخل دیتا ہے۔ جس طرح انسانی افکار میں وہ مذہب صرف عقائد ہی نہیں سکھاتا۔ بلکہ یہ بھی کہتا ہے۔ کہ فلاں چیزیں کھاؤ۔ فلاں نہ کھاؤ۔ شادی بیاہ میں ان ان امور کو ملحوظ رکھو۔ تمدنی اور تجارتی تعلقات اس اس طرح قائم کرو۔ اور یہ امر ہٹلر کی حد برداشت سے باہر ہے۔ وہ کہتا ہے۔

صرف ایک قانون چلیگا دو نہیں چل سکتے

اور چونکہ یہ اپنے مذہب کے حکم کے ماتحت اس بات پر مجبور ہیں۔ کہ اگر میرا حکم اس کے احکام کے خلاف ہو۔ تو اسے نہ مانیں۔ اسلئے اس بغاوت اور نافرمانی کی روح کو کچل دینا ہی بہتر ہے۔ اب بتاؤ۔ ایسی حکومت جہاں بھی قائم ہو گی۔ وہاں اسلام اسکی زد میں آئے گا یا نہیں آئیگا۔ اسلام نے تو یہودیت سے بہت زیادہ اعمال کی تفاصیل بیان کی ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں۔ کہ ہٹلر لا مذہب ہے۔ وہ مذہب کو مانتا ہے۔ مگر وہ کہتا ہے۔ مذہب کا صرف اتنا اختیار ہے۔ کہ وہ کہے۔ ایک خدا ہے۔ یا دو خدا ہیں۔ یا تین خدا ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی بات منوانے کا وہ قطعاً حق نہیں رکھتا۔ پس وہ لا مذہب نہیں۔ بلکہ مذہب کا قائل ہے۔ بلکہ ان لوگوں کا مخالف ہے۔ جو لا مذہب ہیں۔ اور وہ ان پر حملہ کرتا اور کہتا ہے۔ کہ یہ لوگ جو لا مذہب ہیں۔ اپنی قوم کے دشمن ہیں۔ کوئی نہ کوئی مذہب ضرور ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مذہب اتحاد پیدا کرتا ہے۔ لیکن مذہب کا دخل صرف یہیں تک ہے۔ کہ وہ انسانوں کو بتا دے۔ کہ وہ کیا عقائد رکھیں۔ انسانی زندگی کے متعلق قواعد بنانا اس کا کام نہیں۔ یہ حکومت کا کام ہے۔ غرض ہٹلر کے نزدیک ایسے خدا کو نہ صرف برداشت کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس سے فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔ جو آسمان پر بیٹھا رہے۔ اور آسمان تک ہی اس کا کام محدود رہے۔ زمین سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ زمین سے صرف ہٹلر کا ہی تعلق ہونا چاہیئے۔ اس عقیدہ کی موجودگی میں جو قوم بھی اس کے ماتحت رہے گی۔ اگر وہ مذہبی احکام کی پیرو ہو گی۔ تو وہ کبھی چین اور امن سے زندگی بسر نہیں کر سکیگی۔ اور اسلام تو یقیناً ایسی تعلیم سے ٹکراتا ہے۔ اور یہی ہٹلر کے یہودیوں سے ٹکراؤ کی وجہ ہے۔ یہودی جرمن میں پچاس ساٹھ لاکھ ہیں۔ اور سارے ملک کی آبادی آٹھ کروڑ ہے۔ گویا

جرمن آبادی کا آٹھ فی صدی حصہ یہودی ہیں

مگر وہ چونکہ اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں۔ اسلئے ہٹلر کو برا محسوس ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ ان یہودیوں کو میری تائید کرنی چاہیئے۔ یہ کیا کہ موسیٰؑ جو آج سے دو تین ہزار سال پہلے ہوا ہے۔ اس کی باتیں مانی جائیں۔ اس کے بعد ہم روس کو لیتے ہیں۔ روس میں مذہب ہے ہی نہیں۔ دہریت ہی دہریت ہے۔ اور اس دہریت کو پھیلانے کے لئے وہ پورا زور لگا رہا ہے۔ گو منہ سے وہ انصاف کا دعویٰ کرتا ہے۔ مگر یہ دعویٰ محض دھوکا ہے۔ چنانچہ روسی حکومت کہتی ہے۔ کہ انسانی فکر میں آزادی ہونی چاہیئے۔ اور کسی سے جبراً کوئی عقیدہ نہیں منوانا چاہیئے۔ اور اس اصل کی تشریح وہ یہ کرتے ہیں۔ کہ ماں باپ کو کوئی حق نہیں۔ کہ بچہ کو اپنے مذہب

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کی تعلیم دیں۔ بچہ جب جوان ہو جائے۔ وہ جو مذہب چاہے۔ قبول کرے۔ نہ حکومت اسے کوئی مذہب سکھائے۔ اور نہ ماں باپ۔ اب بظاہر یہ تعلیم منصفانہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ادنیٰ فکر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ یہ محض دھوکا ہے۔ کیونکہ مذہب تو ایک مثبت بات ہے۔ اور سکھانے سے ہی آسکتی ہے۔ لیکن لامذہبیت اور دہریت ایک منفی چیز کا نام ہے۔ جسے خدا کا علم نہ دیا جائے گا۔ وہ خالی الذہن نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ دہریہ ہوگا۔ کیونکہ جسے خدا تعالےٰ کا علم نہ ہو۔ اسی کو دہریہ کہتے ہیں۔ اور وہی لامذہب کہلاتا ہے۔ غرض یہ صاف بات ہے۔ کہ مذہب تو سکھانے سے ہی آئے گا۔ بغیر سکھائے مذہب کس طرح آسکتا ہے۔ مگر وہ کہتے ہیں۔ نہ ہم مذہب کی تعلیم دیتے ہیں۔ نہ تم مذہب کی تعلیم دو۔ اور اسے خود بخود جو جی چاہے سیکھنے دو۔ اب جبکہ اسے کوئی سکھانے والا ہی نہیں ہوگا۔ تو وہ سیکھے گا کیا۔ دہریہ نے بھلا کسی کو کیا سکھانا ہے۔ وہ تو نفی کا قائل ہے۔ اور نفی کا قائل دوسرے کو کیا سکھا سکتا ہے۔ جو شخص کسی چیز کے متعلق کہتا ہے۔ کہ "ہے" وہی اس چیز کے متعلق دلائل بھی دیا کرتا ہے۔ مگر جو کہے۔ کہ کچھ نہیں۔ اس نے دوسروں کو سکھانا ہی کیا ہے۔ اور اسے ضرورت ہی کیا ہے۔ کہ تعلیم دے۔ مگر وہ اپنی طرف سے بڑے منصف مزاج بنتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ نہ تم بچوں کو کچھ سکھاؤ۔ نہ ہم سکھاتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات صاف ہے۔ کہ خدا ہے کا پتہ تو بچے کو اسی وقت لگے گا۔ جب اسے بتایا جائے گا۔ کہ خدا ہے۔ مگر خدا نہیں سکھانے کی ضرورت نہیں۔ جب کان میں خدا ہے کی آواز نہ پڑے گی۔ تو ذہن خود بخود خدا نہیں کا سبق سیکھ لے گا۔

پھر ہمارے مبلغ وہاں جا چکے ہیں۔ اور ان کا عملی تجربہ حکومت روس کے متعلق جو کچھ ہے۔ وہ بھی نہایت ہی تلخ ہے۔ مولوی ظہور حسین صاحب جب وہاں تبلیغ کے لئے گئے۔ تو حکومت روس انہیں

سات سات دن کا فاقہ

دیتی اور کہتی۔ کھانا ہے تو سؤر کا گوشت کھاؤ ورنہ ہم تمہیں کچھ نہیں دیں گے۔ پھر وہاں سرکاری طور پر تمام لوگوں کو اس قسم کے تھیٹر دکھائے جاتے ہیں۔ جن میں مذہب پر تمسخر اڑایا جاتا۔ اور اس کی نفرت دلوں میں پیدا کی جاتی ہے۔ لیکن جو اس دہریت اور الحاد کا بانی ہے۔ اس کے نام پر تھیٹر میں ایک شخص جج بنتا ہے۔ اور اس کے سامنے بطور ملزم ایک شخص پیش ہوتا ہے۔ اور اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ تمام ملک میں فساد اور لڑائیاں کراتا پھرتا ہے۔ مہربانی کرکے آپ اس کا فیصلہ کریں۔ وہ پوچھتا ہے۔ یہ کون شخص ہے۔ تو آگے سے جواب دیا جاتا ہے۔ کہ یہ خدا ہے۔ جو سارے جہان کے فسادات کا ذمہ وار ہے۔ اس کے بعد خدا پر مقدمہ چلتا ہے۔ اور آخر لینن فیصلہ کرتا ہے۔ کہ خدا کو (نعوذ باللہ) پھانسی دے دیا جائے۔ کیونکہ دنیا میں جتنے فساد ہیں۔ سب اسی کی وجہ سے ہیں۔ چنانچہ سب کے سامنے اس مردود کو۔ جو اپنے آپ کو خدا کہتا ہے۔ پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ (تمثیل کے طور پر نہ کہ حقیقتاً) اب بتاؤ۔ جن قوموں کی یہ حالت ہو۔ اور جو مذہب کی اس قدر دشمن ہوں۔ ان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ بیشک آجائیں۔ ہمیں کوئی پروا نہیں۔ کہاں کی دانشمندی ہے۔ اور کیا کوئی بھی عقلمند اسے درست تسلیم کرسکتا ہے؟ اس

اعتراض کی تیسری صورت

یہ ہو سکتی ہے۔ کہ کوئی کہہ دے۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بیشک تبلیغی آزادی ایک بہت اہم چیز ہے۔ لیکن آپ یہ کیوں خیال کرتے ہیں۔ کہ اگر کسی اور حکومت نے مذہبی تبلیغ پر پابندیاں عائد کردیں۔ تو خدا تعالےٰ کا ہاتھ اسے سزا نہیں دیگا۔ ہمارا اللہ حافظ ہے۔ روس آجائے یا جرمن۔ جو بھی ہمارے مذہب میں مداخلت کریگا۔ اللہ تعالیٰ اسے مار ڈالیگا۔ پس آپ نے کیوں توکل چھوڑا اور کیوں یہ سمجھ لیا۔ کہ انگریزی حکومت کے جانے سے اسلام اور احمدیت کو بھی ضعف پہنچے گا۔ ہمارا خدا قادر ہے۔ اور وہ ہر حالت میں امن قائم کرسکتا ہے۔

یہ اعتراض بظاہر معقول نظر آتا ہے۔ لیکن سنت اللہ کے یہ بھی بالکل خلاف ہے۔ سنت اللہ ہمیشہ دو طرح ظاہر ہوتی ہے۔ ایک تو اس طرح کہ جس قوم کی مدد اور نصرت کا اللہ تعالےٰ نے وعدہ کیا ہوا ہو۔ اس پر کوئی ایسی آفت آپڑے جس کا علاج انسانی ہاتھوں میں نہ ہو۔ ایسی حالت میں سنت اللہ یہی ہے۔ کہ وہ خارق عادت طور پر اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے۔ مثلاً بالکل ممکن ہے۔ کہ کسی جگہ طاعون پڑے۔ اور مخالفوں پر تباہی آجائے۔ لیکن مومن محفوظ رہیں۔ لیکن بعض مصیبتیں ایسی ہوتی ہیں۔ جن کے دور کرنے میں انسان کا بھی دخل ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں سنت اللہ کہتی ہے۔ کہ پہلے خود قربانی کرو۔ اور اپنی قربانی کو انتہا تک پہنچا دو۔ پھر میں تمہاری مدد کو آؤنگا۔ پس اگر تدبیر کا ساتھ تعلق ہو۔ تو اللہ تعالےٰ کی نصرت اسی وقت آیا کرتی ہے۔ جب انسان تدبیر اختیار کر لیتا ہے۔ زیر بحث امر پہلی قسم میں سے نہیں۔ بلکہ دوسری قسم میں سے ہے۔ کیونکہ یہ لڑائی ہے۔ کوئی آسمانی آگ نہیں۔ جو مومنوں سے ذرا پرے ہٹ کر جا گرے گی۔ لڑائی ہمیشہ ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ مضبوط اور طاقتور لوگ تو ہاتھ سے مدد کرتے ہی ہیں۔ اگر کوئی بیمار ہے۔ تو وہ اس رنگ میں مدد کرسکتا ہے۔ کہ اور لوگوں کے دلوں میں جوش پیدا کرے۔ یا علمی کام کر سکتا ہے۔ اسی طرح امیر لوگ جنگ میں روپیہ سے مدد دے سکتے ہیں۔ اور جو غریب ہیں۔ وہ محنت اور جفاکشی کے کام کرسکتے ہیں بہر حال لڑائی ایک ایسی چیز ہے۔ جس کے ساتھ تدبیر کا تعلق ہے۔ چاہے وہ تدابیر مکمل ہوں یا نامکمل۔ پس ایسے معاملات میں اللہ تعالےٰ کی مدد اسی وقت نازل ہوا کرتی ہے۔ جب انسان تدابیر سے کام لے۔ اور اگر وہ تدابیر والے کاموں میں تدبیر سے کام نہ لے اور محض توکل کرکے بیٹھ رہے۔ تو سنت اللہ نہ صرف یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی مدد نازل نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ بھی ہے۔ کہ ایسے

جھوٹے متوکل پر خدا تعالےٰ کا غضب نازل ہوتا ہے

وہ کہتا ہے۔ ہم نے تمہیں موقع دیا تھا۔ کہ تم تدبیر سے کام لو۔ مگر تم نے تدابیر سے کام لینے کی بجائے جھوٹا توکل کیا۔ جس کی سزا یہ ہے۔ کہ اب تمہیں الٰہی مدد نہیں پہنچیگی۔ بلکہ تم ذلت کے عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے۔ پس اس سنت اللہ کے ماتحت ہمارا بھی ایسے موقعہ پر توکل کرکے بیٹھ رہنا اور تدابیر سے کام لینا کسی صورت میں درست نہیں ہو سکتا۔

پھر تعجب ہے۔ ہم دین کے معاملہ میں تو توکل ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن دنیا کے معاملہ میں ہم کبھی توکل نہیں کرتے۔ کبھی کسی کا عزیز بیمار ہو جائے۔ تو تم یہ نہیں دیکھوگے۔ کہ وہ خاموش ہو کر گھر میں بیٹھ رہے۔ اور کہے میں اللہ تعالےٰ پر توکل کرتا ہوں۔ وہ خود بلکہ وہ فوراً دوائی لینے کے لئے ہسپتال کی طرف دوڑے گا۔ وہ کبھی نہیں کہیگا۔ کہ بھلا ملیریا میرا کیا بگاڑ سکتا ہے؟ یا ہیضہ مجھے کیا کرسکتا ہے؟ یا طاعون مجھے کیا نقصان پہنچا سکتی ہے؟ وہ فوراً علاج کرے گا۔ اور ڈاکٹروں کی فیسوں پر روپیہ بھی خرچ کرے گا۔ اور اس معاملہ میں توکل سے کام لینے کی بجائے تدبیر سے کام لے گا۔ اسی طرح تم کبھی نہیں دیکھو گے۔ کہ کوئی لڑکا سکول میں داخل ہو۔ تو نہ کتابیں خریدے۔ نہ پڑھائی کرے۔ اور یہی کہتا رہے۔ کہ اللہ مجھے پاس کردیگا۔ میں اس پر سچے طور پر توکل کرتا ہوں یا کسی کو اپنے لئے مکان کی ضرورت ہو۔ تو نہ اینٹیں مہیا کرے۔ نہ چونا خریدے۔ نہ گارا بنوائے۔ نہ مزدور اور مستری بلوائے۔ اور کہے کہ مجھے کیا ضرورت ہے۔ کہ میں یہ تردد کروں۔ اللہ تعالےٰ خود مکان بنا دیگا۔ یا مثلاً کھانے کی ضرورت ہو۔ تو بیوی کھانا تیار نہ کرے۔ اور شام کو جب خاوند گھر آئے۔ اور پوچھے۔ کہ کھانا تیار ہے۔ تو وہ کہے۔ کہ مجھے کھانا تیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہر جاندار کو روزی پہنچانا ہے۔ وہ خود ہمیں کھانا پہنچائے گا۔ اب کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ خاوند اس کی بات سن کر یہ کہے گا۔ کہ میری بیوی نے بڑا توکل کیا۔ وہ یقیناً اس پر ناراضگی کا اظہار کرے گا۔ بلکہ ایک غیر تعلیم یافتہ گنوار تو کچھ تعجب نہیں۔ کہ دو چار سونٹیاں بھی رسید کردے۔ مگر اس قسم کا توکل ہم کو دین کے معاملہ میں فوراً یاد آجاتا ہے۔ ہم اپنی روٹی کے لئے توکل نہیں کرتے۔ ہم اپنے مکان کے لئے توکل نہیں کرتے۔ ہم اپنی ملازمت کے لئے توکل نہیں کرتے۔ ہم اپنے دوسرے کاموں کے لئے توکل نہیں کرتے۔ بلکہ تمام وہ تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ نے اس عالم اسباب میں مقرر فرمائی ہیں۔ باوجود اس کے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ موت اور حیات میرے اختیار میں ہے۔ ذلت اور عزت میرے ہاتھ میں ہے۔ رزق کی فراخی اور تنگی میرے ہاتھ میں ہے۔ مگر ہم موت سے بچنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ ہم حیات کے پیدا کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ ہم ذلت سے محفوظ رہنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ ہم عزت اور ترقی کے حصول کے لئے بھی کوشش کرتے ہیں۔ ہم رزق بڑھانے اور آمدنی کو وسیع کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں گویا ہم وہ ساری تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ جن تدابیر کا اختیار کرنا دنیوی کاموں کی سرانجام دہی کے لئے ضروری ہے۔ مگر جب دین کا سوال آجاتا ہے۔ تو ہم نہایت بے تکلفی سے کہہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کریگا۔ ہمیں اس میں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میں ایک دفعہ لاہور سے آرہا تھا۔ یہ

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کا واقعہ

ہے۔ جس کمرہ میں میں سوار ہوا۔ اسی کمرہ میں ایک مشہور پیر صاحب بھی سوار ہو گئے۔ انہیں مجھ سے کچھ کام تھا۔ اور وہ مجھ سے ایک معاملہ میں مدد لینا چاہتے تھے۔ دوران گفتگو میں انہوں نے مجھے ممنون کرنے کے لئے ایک رومال نکالا۔ جس میں کچھ میوہ بندھا ہوا تھا۔ اور رومال کھول کر میرے سامنے بچھا دیا۔ اور کہا کھائیے۔ وہ مجھ سے کسی احمدی کے پاس ایک معاملہ میں سفارش کرانا چاہتے تھے۔ مگر اس سے پہلے وہ پیر صاحب یہ فتویٰ بھی شائع کر چکے تھے۔ کہ احمدیوں سے ملنا جلنا اور گفتگو کرنا بالکل حرام ہے۔ اور اگر کوئی ان سے ملے جلے یا گفتگو کرے۔ یا ان کے جلسہ میں شریک ہو۔ تو اسکی بیوی پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مجھے یاد ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دفعہ جب سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ اور وہاں ایک جلسہ ہوا۔ جس میں آپ نے تقریر فرمائی تو راستہ میں بڑے بڑے مولوی ان پیر صاحب کے فتویٰ کے اشتہارات اٹھائے لوگوں کو کہہ رہے تھے۔ کہ جو مرزا صاحب کے لیکچر میں جائے گا۔ اسکی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ جو احمدیوں سے ملے گا۔ اسکی بیوی کو بھی طلاق ہو جائے گی۔ جو ان سے مصافحہ کرے گا۔ اسکی بیوی کو بھی طلاق ہو جائیگی۔ اور جو ان کے سلام کا جواب دیگا۔ اس کی بیوی کو بھی طلاق ہو جائیگی۔ مجھے یاد ہے جلسہ میں جب لوگ جاتے۔ تو باہر بڑے بڑے مولوی کھڑے ہو کر لوگوں کو روکتے کہ اندر مت جانا ورنہ تمہارا

نکاح فسخ ہو جائے گا

اس پر کئی جوش میں آجاتے اور کہتے۔ نکاح کا کیا ہے۔ نکاح تو سوا روپیہ دے کر پھر پڑھا لیا جائے گا۔ مرزا صاحب نے روز روز نہیں آنا ہے۔ اس لئے ہم ان کا لیکچر ضرور سنیں گے۔ اور یہ کہہ کر وہ جلسہ میں شامل ہو جاتے۔ تو انہی پیر صاحب نے جن کا یہ فتویٰ تھا۔ کہ احمدیوں سے ملنے اور باتیں کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ باوجود یہ معلوم ہونے کے کہ میں بانئ سلسلہ احمدیہ کا لڑکا ہوں۔ رومال بچھا کر میرے سامنے میوہ رکھ دیا۔ اور کہا۔ کہ کھائیے۔ مجھے اس فتویٰ کی وجہ سے ان سے یوں بھی نفرت تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا سامان بھی پیدا کیا ہوا تھا۔ اور وہ یہ کہ اسی روز مجھے کھانسی اور نزلہ کی شکایت تھی۔ میوہ میں کشمش بھی تھی۔ جس کا کھانا نزلہ کی حالت میں نزلہ کو اور زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ اس لئے میں نے معذرت کی۔ اور کہا۔ کہ آپ مجھے معاف رکھیں۔ مجھے نزلہ کی شکایت ہے۔ میں میوہ نہیں کھا سکتا۔ پیر صاحب فرمانے لگے۔ کہ نہیں کچھ نہیں ہوتا۔ آپ کھائیں تو سہی۔ میں نے پھر انکار کیا۔ کہ مجھے اس حالت میں ذرا سی بد پرہیزی سے بھی بہت تکلیف ہو جاتی ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے۔ جی یہ تو باتیں ہی ہیں۔ کرنا تو سب اللہ تعالیٰ نے ہوتا ہے۔ اور وہی ہوتا ہے۔ جو اللہ کرتا ہے۔ میں نے کہا۔ پیر صاحب۔ آپ نے یہ بات بہت بعد میں بتائی۔ اگر آپ لاہور میں ہی بتا دیتے۔ تو آپ اور میں دونوں ایک نقصان سے بچ جاتے۔ کہنے لگے۔ وہ کیا۔ میں نے کہا۔ غلطی یہ ہوئی۔ کہ آپ نے بھی ریل کا ٹکٹ لے لیا اور میں نے بھی (وہ امرتسر آرہے تھے۔ اور میں بٹالہ آرہا تھا) اگر اس مسئلہ کا پہلے علم ہوتا۔ تو نہ ہم تانگے پر کرایہ خرچ کرتے۔ نہ ریل کا ٹکٹ مول لیتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں پہنچانا ہی تھا۔ تو وہ آپ کو امرتسر پہنچا دیتا۔ اور مجھے قادیان پہنچا دیتا۔ ہمیں ٹکٹ پر روپیہ خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ کہنے لگے۔

تدبیر بھی تو ہوتی ہے

میں نے کہا۔ بس اسی اسباب کی رعایت کی وجہ سے مجھے بھی میوہ کھانے میں عذر تھا۔ تو جب انسان کا ذاتی سوال ہو۔ اس وقت اسے ہزاروں قسم کی تدبیریں یاد آجاتی ہیں۔ مگر جب خدا تعالیٰ کے دین کا معاملہ ہو۔ تو انسان نہایت بے تکلفی سے کہہ دیتا ہے۔ کہ مجھے تدبیر سے کام لینے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ خود کرے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ دین کا کام اللہ تعالیٰ نے ہی کرنا ہے۔ اور ہمارے کام بھی در اصل وہی کرتا ہے۔ ہم ہزاروں کام جو کرتے اور پھر کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا ہی نتیجہ ہے۔ ہماری کسی کوشش کا خالصۃً اس میں دخل نہیں۔ ورنہ ہمیں ہر کام میں کامیابی ہو۔ لیکن کامیابی ہر بات میں نہیں ہوتی۔ کسی بات میں ہو جاتی ہے۔ اور کسی میں نہیں ہوتی۔ ہزاروں لڑکے محنت کرکے پاس ہو جاتے ہیں۔ اور ہزاروں لڑکے محنت کرنے کے باوجود فیل ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں کوشش کرتے ہیں۔ اور انہیں عزت مل جاتی ہے۔ اور ہزاروں عزت کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر وہ پہلے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتے ہیں۔ تو تمام کام اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ کہ جہاں تدبیر کا تعلق ہو۔ وہاں اگر مومن تدبیر نہیں کرتا۔ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا نازل ہوتی ہے۔ اور وہ اسکی گرفت اور عذاب میں آجاتا ہے۔

دیکھو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کی

ایک نہایت واضح مثال

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی پیش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم سے یہ وعدہ کیا تھا۔ کہ کنعان کی سرزمین کا اسے مالک بنا دیا جائیگا۔ جیسے ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ کہ وہ ہمیں دنیا کا حکمران اور بادشاہ بنائے گا۔ مگر اس کا علاج اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا۔ کہ جاؤ اور جنگ کرو۔ اس جنگ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دے دیگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو خدا تعالیٰ کا یہ حکم سنایا۔ تو انہوں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کا ہم سے یہ وعدہ ہے۔ کہ وہ ہمیں کنعان کی سرزمین دے گا۔ وہ اپنے وعدے کو آپ پورا کرے۔ ہم اپنی جانوں کو کیوں ہلاکت میں ڈالیں۔ موسیٰ اور اس کا خدا دونوں جا کر دشمنوں سے لڑیں۔ اور جب فتح ہو جائے۔ تو ہمیں آکر بتا دیا جائے۔ ہم کنعان کی سرزمین میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر جانتے ہو۔ اس کا کیا نتیجہ ہوا۔ باوجود وعدہ کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم نے وہ زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی۔ اور ان پر ایسی ذلت نازل کی۔ کہ وہ تمام لوگ جنہوں نے یہ اعتراض کیا تھا۔ ایک ایک کرکے جنگلوں میں بھٹک کر مر گئے۔ اور پھر ان کی نسلوں کے ذریعہ یہ الٰہی وعدہ پورا ہوا۔ تو جہاں تدبیر کا تعلق ہو۔ وہاں باوجود وعدے کے باوجود الٰہی فیصلہ کے باوجود الٰہی مشیت اور ارادہ کے اس وقت تک خدا تعالیٰ کی نصرت نازل نہیں ہوتی۔ جب تک تمام کی تمام قوم قربانی کرنے کے لئے تیار نہیں ہو جاتی۔ اور اگر کوئی قوم قربانی کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ تو باوجود وعدوں کے وہ انعامات اس قوم کو نہیں دیئے جاتے۔

اسی طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب جنگ بدر کے لئے نکلے۔ تو کل

تین سو تیرہ صحابہ رضؓ

آپؐ کے ساتھ تھے۔ وہ بھی ایسے جو فنونِ جنگ سے ناآشنا اور ساز و سامان سے تہی دست تھے۔ صحابہ رضؓ کا پہلے یہ خیال تھا۔ کہ ہماری ایک تجارتی قافلہ سے مڈبھیڑ ہوگی۔ مگر خدا تعالیٰ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر دی۔ کہ تجارتی قافلہ سے نہیں۔ بلکہ مکہ کی مسلح فوج سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوگا۔ ان سپاہیوں سے مقابلہ ہوگا۔ جو آزمودہ کار ہیں۔ اور ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ یہ چونکہ

پہلی لڑائی

تھی۔ اس لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ رضؓ کو جمع کیا۔ اور فرمایا۔ دیکھو خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے یہ اطلاع ملی ہے۔ کہ ہمارا مکہ والوں سے مقابلہ ہوگا۔ اسلئے میں تم سے مشورہ لینا چاہتا ہوں۔ حالات ایسے ہیں۔ کہ ہمیں بہت زیادہ خطرات کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ آپ لوگوں سے مشورہ لے لیا جائے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل میں مشورہ لینے کی یہ تحریک صحابہ رضؓ کے ایمانوں کو ظاہر کرنے کے لئے ہی کی ہو۔ بہر حال جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بات پیش کی۔ تو یکے بعد دیگرے مہاجرین اپنی رائے کا اظہار کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ آپ ہم سے کیا مشورہ پوچھتے ہیں۔ آپ ہمیں حکم دیجئے۔ ہم لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر جب ایک مہاجر اپنی رائے کا اظہار کرکے بیٹھ جاتا۔ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پھر فرماتے اے لوگو۔ مجھے مشورہ دو۔ اس پر پھر کوئی اور مہاجر کھڑا ہوتا اور کہتا۔ یا رسول اللہ مشورہ کیا پوچھتے ہیں۔ ہمیں حکم دیجئے۔ ہم لڑنے کے لئے حاضر ہیں۔ جب وہ بیٹھ جاتا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پھر فرماتے۔ اے لوگو مجھے مشورہ دو۔ آخر جب بار بار رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس فقرہ کو دوہرایا۔ تو انصار سمجھ گئے۔ کہ شاید رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مراد یہ ہے۔ کہ ہم اپنی رائے کا اظہار کریں۔ چنانچہ ایک انصاری کھڑا ہوا۔ اور اس نے کہا یا رسول اللہ۔ آپؐ کی مراد شاید ہم انصار سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ میری مراد تمہی سے ہے۔ اس نے کہا۔ یا رسول اللہ۔ شاید آپؐ کا اشارہ اس معاہدہ کی طرف ہے۔ جو ہم نے آپؐ کے مدینہ آنے پر کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ بات در اصل یہ تھی۔ کہ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ تشریف لائے۔ تو انصار سے آپؐ کا یہ معاہدہ ہوا تھا۔ کہ اگر کوئی دشمن مدینہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پر حملہ کرے گا۔ تو لڑائی میں انصار مہاجرین کے ساتھ شریک ہوں گے۔ لیکن اگر مدینہ سے باہر کسی دشمن کا رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مقابلہ کرنا ہؤا۔ تو انصار اس بات کے پابند نہیں ہوں گے۔ کہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدد کریں۔ چونکہ اس موقعہ پر مدینہ سے باہر جنگ ہو رہی تھی۔ اسلئے آپؐ نے چاہا۔ کہ انصار کو ان کا معاہدہ یاد دلا دیا جائے اور پھر اس کے بعد وہ جو مشورہ چاہیں۔ دیں۔ پس جب اس انصاری نے کہا۔ کہ یا رسول اللہ کیا آپؐ کی مراد اس معاہدہ سے ہے۔ جو ہم نے آپؐ کے مدینہ آنے پر کیا تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ وہ کہنے لگا۔ یا رسول اللہ ہمیں اس وقت آپؐ کی حیثیت کا علم نہیں تھا۔ اور ہمیں معلوم نہیں تھا۔ کہ آپؐ کس پائے کے انسان ہیں۔ اسلئے ہم نے لاعلمی میں ایک ایسا معاہدہ کر لیا۔ جس میں آپؐ کی شان اور بزرگی کو پوری طرح ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مگر یا رسول اللہ اب تو ہم پر حقیقت کھل چکی ہے۔ اور اب ہم سمجھ چکے ہیں۔ کہ ہم پر کیا ذمہ واریاں عائد ہیں۔ سامنے سمندر تھا۔ (دو تین منزل کے فاصلہ پر۔ یہ نہیں کہ نظر آتا تھا) اسکی طرف اشارہ کر کے وہ کہنے لگا۔ یا رسول اللہ اگر آپؐ حکم دیں۔ کہ ہم اس بے کنار سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دیں۔ تو ہم بغیر ہچکچاہٹ اور بغیر ایک ذرہ بھر تردد کے اپنے گھوڑے اس سمندر میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں۔ پھر اس نے کہا۔ یا رسول اللہ اگر جنگ ہوئی۔ تو ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ اور کوئی دشمن اس وقت تک آپؐ کے پاس نہیں پہنچ سکے گا۔ جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہؤا نہ گذرے۔ اب دیکھو۔ انہوں نے یہ نہیں کہا۔ کہ جب خدا کا ہم سے وعدہ ہے۔ کہ وہ ہمیں فتح دے گا۔ اور کفار پر ہمیں غلبہ عطا کرے گا۔ تو

ہماری جانوں کو کیوں خطرہ میں ڈالا جاتا ہے

بلکہ انہوں نے ہر ممکن قربانی کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ وہ اس اعتراض کو جانتے تھے۔ جو موسیٰ کی قوم نے کیا۔ اور غالباً اس انصاری نے اس خیال سے کہ ممکن ہے۔ ہم میں سے بھی بعض کمزور ایمان والے یہ نہ سمجھیں۔ کہ جب خدا کا ہم سے فتح کا وعدہ ہے۔ تو ہم سے جانی قربانی کا مطالبہ کیوں کیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے واقعہ کو ہی دوہرایا۔ اور کہا یا رسول اللہ ہم موسیٰ کی قوم کی طرح نہیں۔ جس نے حضرت موسیٰؑ سے کہہ دیا تھا۔ کہ اذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون۔ جا تُو اور تیرا خدا دشمن سے لڑتے پھریں۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ بلکہ یا رسول اللہ ہم آپؐ کے دائیں بھی لڑینگے اور بائیں بھی لڑیں گے۔ آپؐ کے آگے بھی لڑیں گے۔ اور آپؐ کے پیچھے بھی لڑیں گے۔ اور کسی دشمن کو اس وقت تک آپؐ کے پاس پہنچنے نہیں دیں گے۔ جب تک کہ ہماری لاشوں کو روندتا ہؤا نہ گذرے۔ اب صحابہ رضؓ نے یہ نہیں کہا۔ کہ ہم کیوں لڑیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ اس قسم کے

وعدے تدبیر کامل کے بعد پورے ہؤا کرتے ہیں

پھر اسی لڑائی میں باوجود کامیابی کے وعدے کے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا کی اور اتنی دعا کی۔ کہ آخر آپؐ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے۔ کہ اے خدا مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت اس وقت دشمن کی ایک کثیر جماعت کے مقابلہ میں ہے۔ اے اللہ اگر یہ لوگ بھی مارے گئے۔ تو پھر دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو اس وقت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان سے یہ فقرہ سُنا۔ تو انہیں چبھا اور انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ۔ کیا خدا کا ہم سے یہ وعدہ نہیں۔ کہ ہم فتح پائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔ بے شک خدا کا یہ وعدہ ہے۔ کہ وہ ہمیں فتح دیگا۔ مگر خدا غنی بھی ہے۔ اور بندے کا پھر بھی یہی کام ہے۔ کہ وہ دعا میں لگا رہے۔ پس باوجود کامیابی کے وعدوں کے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تدبیریں بھی کیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعائیں بھی کیں۔ اور اس سوز اور اس درد اور اس گھبراہٹ کے ساتھ کیں۔ کہ آپؐ کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے۔ کہ اے خدا اگر آج تیری یہ جماعت ماری گئی۔ تو

فلن تعبد فی الارض ابدًا

زمین میں تیری کبھی پرستش نہیں ہوگی۔ تو کیا ہمارے ساتھ جو وعدے ہیں۔ وہ ان وعدوں سے زیادہ اہم ہیں۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کئے گئے تھے۔ زیادہ سے زیادہ تم یہ کہہ سکتے ہو۔ کہ انہی وعدوں کا یہ تسلسل ہے۔ مگر ان وعدوں کے متعلق ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ رضؓ نے بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا۔ کہ مدینہ اگر ابوجہل کے قبضہ میں آگیا۔ تو پھر بھی ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ اللہ ہماری حفاظت کریگا۔ باقی رہا یہ سوال کہ میں نے کہا ہے۔ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں۔ جو اسلام کی اشاعت کے منافی ہوں۔ تو میں ایسے حالات میں موت کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ اس کے متعلق جو معترض کو شبہ ہؤا ہے۔ تو شاید اسکی یہ وجہ ہے۔ کہ اس نے خیال کیا ہے۔ کہ میرا اس سے یہ مطلب ہے۔ کہ میں اس موقع پر خودکشی کر لوں گا۔ اگر یہی شبہ کی وجہ ہے۔ تو یہ وسوسہ صرف

معترض کی دماغی کیفیت

کو ظاہر کرتا ہے۔ ہر شخص کے فقرہ کا مفہوم اس کے عقیدہ کے مطابق ہوتا ہے۔ موت کے ایک معنے بے شک خودکشی کے ہوتے ہیں۔ مگر جب ایک مسلمان کے نزدیک خودکشی کرنا بالکل ناجائز ہے۔ تو جب وہ یہ کہے گا۔ کہ میں فلاں بات سے موت زیادہ پسند کرتا ہوں۔ تو لازمًا اس موت کا خودکشی کے علاوہ کوئی اور مفہوم ہوگا۔ اور اس کے معنے وہی لئے جائیں گے۔ جو قائل کے نزدیک جائز اور درست ہوں گے۔

دوسرے معنے موت کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم ایسے حالات میں دعا کریں گے۔ کہ یا الٰہی ہمیں مار دے۔ مگر یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ جس طرح خودکشی کرنا حرام ہے۔ اسی طرح اسلام میں موت کی دعا کرنا بھی منع ہے۔

تیسرے معنے اس قسم کے فقرے کے یہ ہو سکتے ہیں۔ کہ ایسے حالات کے پیدا ہونے پر

ہم اپنے آپ کو موت کے خطرہ میں ڈال دیں گے

اور یہی معنے اسلام میں جائز اور درست ہیں۔ پس اس نوجوان کو کیوں یہ وہم پیدا ہؤا۔ کہ میں خودکشی کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یا ایسے حالات کے پیدا ہونے پر میں دعا کرونگا۔ کہ خدا مجھے مار ڈالے۔ مومن کا کام یہ ہے۔ کہ جب اس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں۔ وہ عواقب کا لحاظ کئے بغیر مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے۔ اور پھر خدا کا حکم چاہے تو اسے موت دے دے اور چاہے۔ تو اسے فتح دے۔ بہر حال اپنی طرف سے وہ موت کے خطرہ میں کود پڑے۔ پس جب میں نے کہا۔ کہ میں اپنے لئے اور اپنی جماعت کے دوستوں کے لئے ان حالات سے موت زیادہ پسند کرتا ہوں۔ تو اس کے یہی معنے تھے۔ کہ ہم اسوقت اپنے آپ کو اس مقام پر کھڑا کر دیں گے۔ جس مقام پر کھڑا ہونا دنیا کے نزدیک موت ہو۔ اور وہ یقین کرے کہ اب ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ لیکن یاد رکھو۔ جب کوئی قوم موت کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ تو وہی وقت ہوتا ہے۔ جب موت اس پر حرام کر دی جاتی ہے۔ میں نے تو اسکی مثال بھی دی تھی۔ اور کہا تھا۔ کہ ایک قوم تھی۔ جسے خدا نے کہا مُوتُوا یعنی مر جاؤ۔ اور جب وہ موت کے لئے تیار ہو گئی۔ تو اللہ تعالےٰ نے اسے زندہ کر دیا۔ اس موت کے یہ معنی نہیں۔ کہ ان لوگوں نے خودکشی کر لی تھی۔ یا موت کے لئے انہوں نے دعا مانگنی شروع کر دی تھی۔ بلکہ یہ معنے ہیں۔ کہ وہ نڈر ہو کر اور

عواقب سے بے پرواہ ہو کر

خدا تعالےٰ کے دین کی مدد اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اور انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ اب ہم مر جائیں گے۔ مگر خدا تعالےٰ کے دین کو زندہ کر کے رہیں گے۔ اور در اصل یہی وہ وقت ہوتا ہے۔ جب لولے۔ لنگڑے۔ بہرے۔ کانے چھوٹے بڑے اور مضبوط اور کمزور سب کا فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ عام حالات میں صرف اتنا کافی ہوتا ہے۔ کہ

قوم کے مضبوط نوجوان حفاظت کے لئے آگے بڑھیں

لیکن اگر ایسی قوم حکمران ہو جائے۔ جو جبری طور پر دہریت اور کفر و الحاد کو پھیلائے۔ اور مذہب کی اشاعت پر پابندیاں عائد کر دے اور تبلیغ کو روک دے۔ تو اس وقت ہر شخص کا خواہ وہ لولا ہے یا لنگڑا۔ اندھا ہے یا کانا۔ مضبوط ہے یا کمزور۔ بیمار ہے یا تندرست فرض ہوتا ہے۔ کہ اپنے آپ کو قربان کر دے۔ اور مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑا ہو۔ پھر اگر اس کے لئے موت مقدر ہے۔ تو مر جائے۔ اور اگر فتح مقدر ہے۔ تو فتح پا کر گھر لوٹے۔ مثلاً موجودہ جنگ ہی ہے۔ اگر اس جنگ کے متعلق وہی حالات ظاہر ہوں جن کا مجھے خطرہ ہے۔ تو ایسی صورت میں یہ کوئی سوال ہی نہیں ہوگا۔ کہ انگریز کیا کہتے ہیں۔ اگر انگریز ایسے دشمنوں سے صلح بھی کر لیں۔ تو مومنوں کا فرض ہوگا۔ کہ وہ جنگ جاری رکھیں۔ یا اس ملک کو چھوڑ دیں۔ جس میں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یقینی بات ہے۔ کہ چونکہ

احمدیت کی فتح کے متعلق خدا تعالےٰ کے وعدے

ہیں۔ اسلئے اگر قوم کی قوم تباہ اور ہلاک ہونے کے لئے تیار ہو جائے۔ تو اس کے بعد خدا یہ ارادہ کرے گا۔ کہ میں تم کو مرنے نہیں دونگا۔ موت تبھی آتی ہے۔ جب خدا کسی کے لئے موت پسند کرتا ہے۔ اور ہمارا خود اپنے لئے موت کو پسند کرنا تو موت کا نہیں بلکہ زندگی کا پیش خیمہ ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ کا کلام بتاتا ہے۔ کہ اگر تم اپنے لئے موت پسند کرو۔ تو میں تمہارے لئے حیات پسند کرونگا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ اگر اسلام پر کوئی ایسا نازک وقت آجائے۔ جب اسکی تبلیغ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کو روک دیا جائے۔ اسکی اشاعت کو بند کر دیا جائے۔ اور اسکو پھیلانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا جائے۔ اور اسلام کی بجائے دہریت اور کفر و الحاد کو فروغ دیا جائے تو میں یقیناً اپنے لئے، اپنے عزیزوں اور دوستوں کے لئے، اور اپنی تمام جماعت کے افراد کے لئے موت زیادہ پسند کروں گا بلکہ میں اس سے بھی زیادہ الفاظ کہتا۔ مگر شاید ان لوگوں کے نزدیک جن کے دلوں میں کامل ایمان نہیں وہ مبالغہ میں داخل سمجھے جائیں۔ لیکن یاد رکھو۔ ہمیشہ ایسے موقع پر ہی جب مومن اپنے لئے موت کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔

خدا تعالیٰ ان پر موت کو حرام کر دیتا ہے

افراد بے شک مارے جا سکتے ہیں۔ زید اور بکر بے شک ہلاک ہو سکتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم کبھی نہیں مر سکتی۔ ایسی قوم کو خدا ہمیشہ زندہ کیا کرتا ہے۔ اور اس کے دشمن کو ہی مارا کرتا ہے۔

ماہِ رمضان اور اس کے احکام

گذشتہ سے پیوستہ

جن اشیاء سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

جو شخص حقنہ کروائے۔ یا اسی طریق سے کوئی اور دوائی استعمال کرے۔ تو اگر وہ دوائی اس کے اندر چلی جائے۔ یا ناک اور کان میں دوائی ڈلوائے۔ یا ناک میں مبالغہ کے ساتھ پانی چڑھائے اور دوائی یا پانی حلق سے نیچے اتر جائے۔ یا پیٹ اور سر میں کوئی گہرا زخم ہو۔ اور اس میں سیال دوائی ڈلوائے۔ اور دوائی پیٹ کے اندر یا دماغ میں پہنچ جائے۔ تو ان تمام حالتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔

حقہ۔ بیڑی۔ سگریٹ پینے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ نسوار بوقت اشد ضرورت استعمال کی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ حلق تک نہ جائے۔ مگر چونکہ ایسا کرنا بہت مشکل امر ہے۔ لہٰذا بہتر ہوگا۔ کہ اسے استعمال نہ کیا جائے۔ روزہ میں نسوار منہ میں عادت کے طور پر رکھنا منع ہے۔

روزہ جن اشیاء سے نہیں ٹوٹتا

بعض لوگ سالن وغیرہ میں نمک کی معمولی کمی بیشی برداشت نہیں کر سکتے۔ اور نمک کی کچھ کمی یا بیشی سے کھانا ان کے لئے سخت بدمزا ہو جاتا ہے۔ ایسے خاوندوں کی بیویوں کو ہانڈی کا نمک چکھ لینے کی اجازت ہے۔ مگر پھر فوراً ہی تھوک دینا چاہیئے۔ تاکہ روزہ گھر میں وجہ فساد نہ بنے۔

دن کے کسی حصہ میں خشک یا تازہ مسواک کرنا۔ مکھی کا حلق میں اتر جانا۔ مسوڑے کے خون کا تھوک کے ساتھ اندر چلے جانا۔ آنکھ میں دوائی ڈلوانا۔ یا سرمہ لگانا۔ پھول سونگھنا یا کوئی اور خوشبو لگانا۔ لعاب دہن کا اندر ہی اندر حلق کے راستہ سے پیٹ میں چلا جانا دھوئیں غبار یا آٹا کا اڑ کر اندر چلے جانا۔ ان سب حالتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔

عورت اپنے چھوٹے بچہ کو اپنے دانتوں سے روٹی چبا کر کھلا سکتی ہے۔ بشرطیکہ چباتے ہوئے ماں کے اندر کھانا نہ جائے۔ لیکن یہ تب جائز ہوگا۔ جبکہ اس کے پاس ایسا کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ اور ایسا نہ کرے۔ تو بچہ بھوکا مرتا ہے۔ لیکن اگر وہ بچہ کو کسی اور طریق سے بھی کھلا سکتی ہے۔ تو پھر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اصل الاصول۔ اس بارہ میں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اگر کسی سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو۔ جن سے روزہ کے ٹوٹ جانے یا قائم رہنے کا سوال پیدا ہو جائے۔ تو اگر عام باتوں (جن کے کرنے سے روزہ قائم رہتا ہے۔ یا ٹوٹ جاتا ہے) سے کوئی انوکھی بات سرزد ہوئی ہو۔ تو پھر اپنے نفس سے فتویٰ پوچھے۔ کہ ایسی حالت میں میرا روزہ رہ سکتا ہے۔ یا نہیں۔ پھر جس طرح نفس نیک نیتی کے ساتھ اسے فتویٰ دے۔ ویسا کرے۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک آدمی کے استفسار پر یہی جواب فرمایا تھا۔ کہ اِسْتَفْتِ نَفْسَکَ۔ کہ اپنے نفس سے فتویٰ پوچھ۔ حضور کے اس مقرر کردہ اصول کے ماتحت آپ بہت سی الجھنوں سے بچ جائینگے۔

مرضعہ۔ حاملہ۔ مریض اور مسافر کے لئے رخصت

مریض کو روزہ رکھنے سے تکلیف ہو۔ اور خوف ہو۔ کہ بیماری زیادہ بڑھ جائے گی۔ ایسا ہی حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) کو روزہ کی وجہ سے تکلیف محسوس ہو۔ حاملہ کو خوف ہو۔ کہ روزہ سے حمل گر جائے گا۔ یا بچہ پر اثر پڑے گا۔ مرضعہ کو خطرہ ہو۔ کہ روزہ کی وجہ سے دودھ خشک ہو جائے گا۔ تو ان کو شریعت نے رخصت دی ہے۔ کہ روزہ نہ رکھیں۔ احادیث میں آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مرضعہ اور حاملہ دونوں کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دیدی ہے۔ لیکن ان حالتوں کے چلے جانے پر روزہ کی قضائی دینی ہوگی۔ ہاں وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین کے ماتحت اگر وہ کسی غریب یا مسکین کو روزہ رکھوا دیا اور کھلوا دیا کریں۔ یا یوں کسی چھوٹے مسکین بچہ کو صبح و شام کھانا کھلا دیا کریں۔ تو پھر قضا کی نہ دینی پڑے گی۔

مسافر کو بھی قرآن کریم نے رخصت دی ہے کہ حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھے۔ پس خدا کی ایسی دی ہوئی رخصت سے فائدہ نہ اٹھانا گویا اسے چیلنج کرنا ہے۔ کہ ہمیں رخصت کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم بڑے بہادر ہیں۔ سفر میں بھی روزہ رکھ سکتے ہیں۔

متفرق امور

اگر مریض یا مسافر حالتِ بیماری یا سفر میں مر جائے۔ تو اس پر کسی قسم کی قضاء لازم نہیں آئے گی۔ ہاں اگر دورانِ بیماری یا سفر میں مریض کچھ دن اچھا ہو گیا تھا۔ یا مسافر مقیم ہو گیا تھا۔ اور اس کے بعد مر گیا۔ تو اتنے دن ان کے "اولیاء" کو روزے رکھنے پڑیں گے۔

میت کی طرف سے روزہ رکھنا

ایسا ہی اگر کسی شخص نے کچھ روزے رکھے اور پھر مر گیا۔ تو میت کے ولی کو چاہیئے۔ کہ میت کی طرف سے روزے رکھے۔ کیونکہ یہ ایک خدائی قرضہ ہے۔ جو اس کے ذمہ رہ گیا ہے۔ میت کی طرف سے روزے رکھنے کے سوال پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب فرمایا تھا۔ أرأیت لو کان علیٰ اختک دین اکنت تقضینہ قالت نعم قال فحق اللہ أحق (ترمذی) کہ اے سائلہ اگر تیری بہن پر کچھ قرضہ ہوتا۔ تو آیا تو اسے ادا کرتی یا نہ۔ اس نے کہا۔ حضور ضرور ادا کرتی۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ کہ پھر اللہ تعالیٰ کا حق تو ضرور ہی ادا کرنا چاہیئے۔

پھر بخاری میں یہ حدیث بھی موجود ہے۔ کہ من مات وعلیہ صوم صام عنہ ولیہٗ (بخاری) کہ اگر میت پر کچھ روزے رہ گئے ہوں تو میت کا وارث اسکی طرف سے روزے رکھے۔

قضائے رمضان

بہتر ہے۔ کہ رمضان کی قضا معاً ہر رمضان کے بعد انسان پوری کرے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے معاً پوری نہ کر سکے۔ تو تاخیر بھی کر سکتا ہے۔ اور اگر اتنی تاخیر ہو گئی ہے۔ کہ دوسرا رمضان آ گیا ہے۔ تو پھر موجودہ رمضان کے روزے پہلے رکھے۔ اور اس پہلے ماہ کے بعد میں رکھے۔

بوڑھے سے متعلق حکم

اگر کوئی شخص بالکل بوڑھا ہے۔ اور روزہ رکھنے کے قابل نہیں۔ کیونکہ روزہ اسکی صحت پر ناقابل برداشت اثر ڈالے گا۔ تو ایسا آدمی ہر روز ایک مسکین کو اپنے روزمرہ کے کھانے سے کھانا دے کر روزہ رکھنے کا ثواب حاصل کر سکتا ہے۔

غیر مسلم جو ماہِ رمضان میں اسلام لائے

اگر کوئی غیر مسلم ماہِ رمضان میں دن کے کسی حصہ میں مسلمان ہو جاتا ہے۔ تو اس کو اس وقت سے کھانا پینا بند کر کے روزہ رکھ لینا چاہیئے۔ اور اختتام ماہِ صیام تک روزے رکھے۔ جو روزے اس کے مسلمان ہونے سے پہلے گذر چکے ہیں۔ ان کی قضائی اس پر کوئی نہ ہوگی۔

حیض اور نفاس والی عورت کا حکم

حیض اور نفاس (بچہ کی ولادت کے بعد قریباً ۴۰ دن تک عورتوں کو جو خون آتا ہے) والی عورت کو بھی رخصت ہے۔ کہ وہ ایام حیض و نفاس میں نہ نماز پڑھے۔ اور نہ روزہ رکھے۔ بعدہٗ ایام طہر (جن دنوں میں حیض اور نفاس کا خون بند ہو جائے۔ اور عورت نہا لے) میں نماز کی قضائی تو نہ دے۔ مگر روزے رکھے۔ جو ایام حیض و نفاس میں نہیں رکھے جا سکے۔

مسافر کا مقیم ہونا وغیرہ

اگر مسافر ماہ رمضان میں دن کے کسی حصہ میں مقیم ہو جائے۔ یا حائضہ سے حیض کی حالت گذر جائے اور طہر شروع ہو جائے۔ تو یہ دونوں اسی دن کے اسی وقت سے اگر کھانے پینے سے شام تک باز رہیں۔ اور روزہ دار ہو جائیں۔ تو ان کے اس دن کا روزہ ہو جائے گا۔

اگر روزہ میں غیر معمولی طور پر بھوک یا پیاس لگ جائے۔ اور افطار نہ کرنے کی صورت میں جان جانے کا خطرہ ہو۔ تو روزہ افطار کر دیا جائے۔

روزہ رکھ کر پو پھٹنے تک حالت جنب میں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

روزہ رکھ کر صبح صادق کے بعد بھی جنابت کا غسل کر سکتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم کے متعلق حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں۔ کان رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم یدرکہ الفجر فی رمضان وھو جنب من غیر حلم فیغتسل ویصوم۔ (الحدیث) کہ نبی کریم صلے اللّٰہ علیہ وسلم بعض دفعہ رمضان میں فجر کے وقت جنابت کا غسل کر کے روزہ دار ہو جاتے تھے۔

روزہ کھلوانے کا ثواب

روزہ دار کو روزہ افطار کروانا بھی بہت بڑے ثواب کا موجب ہے۔ نبی کریم سرور دو عالم نے فرمایا ہے۔ من فطر صائماً کان لہ مثل اجرہ غیر انہ لا ینقص من اجر الصائم شیئاً (ترمذی) کہ جو کوئی کسی کو روزہ افطار کرواتا ہے۔ تو اسے بھی ویسا ہی ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ روزہ دار کو۔ اور یہ نہیں۔ کہ روزہ دار کا ثواب کچھ کم ہو جاتا ہے۔ روزہ دار کا ثواب تو ویسا ہی قائم ہے اور روزہ کھلوانے والے کو اللّٰہ تعالےٰ اس پر خوش ہو کر اپنی طرف سے اتنا ثواب ویسے دیتا ہے۔

وصال جائز نہیں

بعض لوگ دو دو تین تین دن رات لگاتار روزے رکھے چلے جاتے ہیں۔ اور بیچ میں کسی وقت افطار نہیں کرتے۔ اس کو شرعی اصطلاح میں "وصال" کہتے ہیں۔ جو از روئے حدیث ممنوع ہے۔ نبی کریم صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے لا تواصلوا (بخاری) کہ وصال مت کرو۔ قرآن کریم میں بھی آتا ہے۔ ثم اتموا الصیام الی اللیل۔ گویا صیام کا اتمام رات پڑنے کے حصہ اول تک ہے۔ جب رات کا وہ حصہ شروع ہو گیا۔ تو پھر روزہ بھی پورا ہو گیا۔ اس کے بعد روزہ جاری رکھنا غیر مناسب امر ہوگا۔ پس خیر الامور اوسطھا کے ماتحت بہتر عبادت وہ ہے۔ جس پر دوام ہو۔ نہ کہ چند دن وصال کر کے اپنی صحت اور قوت اتنی خراب کر لی جائے کہ پھر ایک روزہ بھی نہ رکھا جا سکے۔

روزہ کس چیز کے ساتھ افطار کرے

نبی کریم صؐ نے فرمایا ہے۔ من وجد تمراً فلیفطر علیہ ومن لا فلیفطر علی ماء فان الماء طھور (ترمذی) کہ کھجور مل جائے۔ تو اس کے ساتھ افطار کر لیا جائے ورنہ پانی کے ساتھ بھی افطار کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ پانی ہی پاکیزگی کا موجب ہے۔

افطاری پر یکدم کھانا نہیں کھانا چاہیئے

بعض لوگ روزہ کھولنے پر یکدم پوری غذا کھاتے ہیں۔ اول تو ایسے لوگ شام کی باجماعت نماز سے رہ جاتے ہیں۔ دوم یہ کہ از روئے حکمت بھی مناسب نہیں۔ کہ سارے دن کے خالی پیٹ کو یکدم بھر دیا جائے۔ اس طرح صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اور بیمار ہونے کا خطرہ ہے۔ پس افطاری کسی تھوڑی سی چیز کے ساتھ کر لی جائے۔ تاکہ انتڑیاں اور معدہ کھل جائے۔ پھر نماز کے بعد سیر ہو کر کھانا کھا لیا جائے۔ حدیث شریف میں نبی کریم صلے اللّٰہ علیہ وسلم جو ہمارے لئے اسوۂ حسنہ تھے۔ کے متعلق آتا ہے۔ عن انس ابن مالکؓ رضؓ قال کان النبی صلے اللّٰہ علیہ وسلم یفطر قبل ان یصلی علی رطبات فان لم تکن رطبات فتمرات فان لم تکن تمرات حسا حسوات من ماء (ترمذی) حضرت انسؓ جو آپ کے گھریلو خادم تھے۔ فرماتے ہیں۔ حضور صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نماز مغرب سے پہلے چند تازہ کھجوروں پر افطاری کرتے تھے۔ اور اگر کبھی تازہ کھجوریں نہ ملتیں۔ تو آپؐ چند چھواروں پر افطاری فرما لیتے تھے۔ (اور نماز کے بعد اگر کھانا تناول فرماتے) اس سے دونوں باتیں معلوم ہو گئیں۔ اول یہ کہ آپ کس چیز کے ساتھ عام طور پر افطاری کیا کرتے تھے۔ دوم یہ کہ یکدم سیر ہو کر تناول نہ فرماتے۔ بلکہ پہلے نماز ادا فرماتے۔ اور پھر آکر حسب ضرورت کھانا کھاتے تھے۔

ماہ رمضان میں نوافل

یوں تو اللّٰہ تعالےٰ کی عبادت کرنا انسان کے لئے ہر وقت ضروری ہے۔ کیونکہ بشر کی تخلیق کی غرض و غایت ہی یہی ہے۔ کہ وہ ہر دم اسکی عبادت میں لگا رہے۔ اور اس سے اپنے حوائج ضروریہ کے متعلق دعا مانگتا رہے۔ لیکن پھر بھی بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں۔ جس میں اسکی رحمت اپنے بندوں کے لئے خاص جوش میں ہوتی ہے۔ اور وہ ان کی پکار سُننے اور ان کو اپنا قرب عطا کرنے کے لئے خاص طور پر متوجہ ہوتا ہے۔ ان اوقات میں سے ماہ رمضان بھی ایک خاص وقت ہے۔ جس کے متعلق خود خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان کہ میں ماہ رمضان میں انسان کے بہت قریب ہو جاتا ہوں۔ اور اس کے بلانے پر اسکی پکار کو سنتا ہوں۔ بلکہ خود اسے بلاتا ہوں۔ یا باغی الخیر اقبل (ترمذی) کہ اے نیکی کے طالب آ۔ میں تیری آرزوؤں اور التجاؤں کو سنوں دیا باغی الشر اقصر (ترمذی) اور اے مجھ سے دور پڑے ہوئے انسان لغویات کو چھوڑ اور میرے پاس آ۔ ع

تعال الی الھدیٰ ذُلّاً خضوعاً
الیٰ ما تکتسی ثوب الدّلال

کہ نہایت خوف و تضرع کے ساتھ راہ راست پر آجا۔ بھلا کب تک تکبر و نخوت کا لباس اوڑھے رکھے گا۔ وللّٰہ عتقاء من النار (ترمذی) کہ تم میں خوف خدا ہے۔ تو آؤ آج تم کو خدا آگ سے بالکل آزاد کرنا چاہتا ہے۔ وذالک کل لیلۃ (ترمذی) ہمارا یہ اعلان کہ "ہم آگ سے تم کو آزاد کرنا چاہتے ہیں" ایک رات نہیں۔ دو یا تین رات نہیں۔ بلکہ ماہ رمضان کی ہر رات یہ اعلان ہوتا رہتا ہے۔ اور نہایت کثرت سے دعائیں سُنی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ کہ ہر فریاد کنندہ (جو سچے دل سے خدا کو پکار رہا ہے) کی ہر نیک دعا سُنی جا سکے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔ اذا دخل رمضان فتحت ابواب السماء (بخاری) کہ رمضان شریف کی آمد پر آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

پس جہاں تک ہو سکے۔ رمضان شریف میں دعاؤں پر خاص زور دیا جائے۔ نوافل کثرت سے پڑھے جائیں۔ رمضان میں نوافل ادا کرنے سے متعلق نبی اکرم صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من صام رمضان وقامہ ایماناً واحتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (ترمذی) کہ جو شخص ایمان اور حصول ثواب کی خاطر ماہ رمضان میں روزے رکھتا۔ اور کثرت سے نوافل پڑھتا ہے۔ اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اور اس طرح عملی طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ الصوم جُنّۃ من النار (ترمذی) کہ روزہ آگ سے بچنے کے لئے ایک مضبوط سپر ہے۔ پس اے خدا کے طالب انسان تو اس سے بے رخی مت کر۔ بلکہ اسکی طرف دوڑ کر آ۔ کہ وہ مجھے زندہ کرنے کے لئے بلاتا ہے۔ ؎

کس قدر ہے بیوقوفی آپ کا منہ موڑنا
جب بلاتا ہے تجھے خود کارسازِ زندگی

غرضکہ اس میں شک نہیں۔ کہ روزے قریباً تمام مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔ اگو صورت مختلف ہے۔ حتیٰ کہ اب تو سیاسی جماعتوں نے بھی اپنے حصول حقوق کی خاطر اب نئی قسم کا روزہ گھڑا ہے۔ جسے "مرن برت" کہا جاتا ہے۔ مگر یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ کہ اسلامی روزے اپنے نتائج کے لحاظ سے باقی تمام قوموں کے روزوں سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ خدا تعالیٰ نے روزے فرض کر کے لعلکم تتقون کا لفظ فرما کر اشارہ کیا ہے۔ کہ دیکھو جب تم نے خدا کی خاطر ایک ماہ میں جسمانی و مالی اور جذبات کی قربانی کی ہے۔ اور اسکی رضا کے لئے اگر کچھ مدت حلال چیزیں کھانا چھوڑ دی ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ اسکی خاطر حرام چیزوں کو چھوڑ نہ سکو۔ اور جب تم نے نسلی بقا کے لئے جو ضروری اور جائز چیزیں تھیں۔ محض خدا کے لئے ترک کیں۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ تم اسکی راہ میں آئندہ اس سے چھوٹی قربانیاں نہ کر سکو۔ اور رات جب تم نے نوافل پڑھتے ہوئے کھڑے ہو کر گذار دی۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ تم صلوات خمسہ کو بر وقت ادا نہ کرتے رہو۔

پس جب تم نے اس ماہ میں بڑی۔ بڑی مالی۔ جانی اور خواہشات و جذبات کی قربانیاں کی ہیں۔ تو اب تم کو اس مقام سے قدم پیچھے نہ ہٹانا چاہیئے۔ بلکہ آگے رکھنا چاہیئے۔

قمری ماہ میں حکمت

روزوں کے قمری مہینوں میں مقرر ہونے کی ایک بہت بڑی حکمت یہ ہے۔ تاکہ ہر موسم کے متعلق صائم کو تجربہ ہو جائے۔ مثلاً جب غربا موسم سرما میں بھوکے رہتے ہیں۔ تو ان کی یہ حالت ہوتی ہوگی۔ جو میری روزہ کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اور جب موسم گرما میں بھوکے رہتے ہیں۔ تو ان کی یہ حالت ہوتی ہوگی۔ اور جب موسم خزاں میں بھوکے رہتے ہیں۔ تو یہ حالت اور موسم بہار میں تو یہ حالت۔

پھر قیامت کے دن یہی ایک امت ہوگی۔ جو روزوں کی وجہ سے اپنے خدا کو عرض کر سکے گی۔ کہ اے خدایا۔ ہم نے تیری رضا کو چاہنے کے لئے سال کے ایک ایک دن میں روزہ رکھا۔ کیونکہ قمری ماہ کی رو سے ماہ رمضان چکر کھاتا ہوا سال کے ایک ایک دن میں سے گزر جاتا ہے۔

آخری گذارش

چونکہ یہ ماہ رمضان قریباً قریباً موسم سرما میں آیا ہے۔ اسلئے ہر مرد و زن کہ جس پر روزہ رکھنا واجب ہے۔ اسے چاہیئے۔ کہ ان مبارک دنوں کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ کیونکہ روزہ دار کو اس عمدہ سرد موسم میں روزہ کا وہی ثواب ہے۔ جتنا کہ ہونا چاہیئے۔ مگر اتنی تکلیف نہیں۔ جتنی کہ جون۔ جولائی کے روزوں میں ہوتی ہے۔ نبی کریم صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے موسم سرما کے روزوں کے متعلق فرمایا ہے۔ الغنیمۃ الباردۃ الصوم فی الشتاء (ترمذی) کہ موسم سرما میں روزے رکھنا ایسا ہی ہے۔ جیسے بغیر لڑائی کے بہت بڑی غنیمت ہاتھ لگ جاتی ہے۔ یعنی روزہ دار کو لمبے دن کی سخت بھوک۔ پیاس اور دھوپ برداشت کرنی نہیں پڑتی۔ مگر اجر ویسے کا ویسا ہی جاتا ہے۔ پس جہاں تک خدا توفیق دے۔ اس ماہ سے حقیقی فائدہ اٹھایا جائے۔ نبی کریم صؐ سرور دو جہاں نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص اس مہینہ میں نیکی کرنے سے محروم رہا۔ اسکو سعادت میں سے کچھ حصہ بھی